SHIVAJI UNIVERSITY, KOLHAPUR

شیواجی یونیورسٹی ، کولھا پور

B.A. PART - II

بی۔ اے ۔ سال دوّم

URDU DSE-III (C-15)

(Urdu Prose)

Paper - III Khaka

خاکہ نگاری

Prof. Dr. Mohammad Shafi Chobdar

Head Of Department, Urdu

S.S.A., Arts & Commerce COLLEGE, SOLAPUR (DIST. SOLAPUR)

مصنف :۔ پروفیسر محمد شفیع چوبدار

صدر شعبہء اردو

ایس ۔ ایس۔ اے، آڑس اینڈ کامرش کالج، شولاپور (ضلع شولاپور)

SHIVAJI UNIVERSITY, KOLHAPUR

شیواجی یونیورسٹی ، کولھا پور

B.A. PART - II

بی۔ اے۔ سال دوّم

SEMESTER - III

URDU DSE-III (C-15)

(Urdu Prose)

Paper - III Khaka

خاکہ نگاری

Prof. Dr. Mohammad Shafi Chobdar

Head Of Department, Urdu

S.S.A., Arts & Commerce COLLEGE, SOLAPUR (DIST. SOLAPUR)

مصنف :۔ پروفیسر محمد شفیع چوبدار

صدر شعبہء اردو

ایس ۔ ایس۔ اے، آرٹس اینڈ کامرس کالج، شولاپور (ضلع شولاپور)

بی۔ اے۔ سال دوّم

URDU DSE-III (C-15)

Paper - III Khaka خاکہ نگاری

برائے نصاب

باب 1 :۔ خاکہ نگاری کا تعارف، اہمیت اور آغاز وارتقاء

۱ :۔ خاکہ نگاری کا تعارف

۲ :۔ خاکہ نگاری کی تعریف

۳ :۔ خاکہ نگاری کی اہمیت

۴ :۔ اردو میں خاکہ نگاری کا آغاز وارتقاء

باب 2 :۔ مولوی عبدالحق کے منتخب خاکے

۱ :۔ مصنف مولوی عبدالحق کا تعارف

۲ :۔ (الف) خاکہ ''نام دیو مالی''

۳ :۔ (ب) خاکہ ''گدڑی کا لال''

۴ :۔ (ج) خاکہ ''حالی''

باب 3 :۔ اردو کے منتخب خاکے

۱ :۔ مصنف رشید احمد صدیقی کا تعارف

۲ :۔ خاکہ '' سر محمد اقبال''

۳ :۔ مصنف قاضی عبدالغفار کا تعارف

۴ :۔ خاکہ '' حکیم اجمل خان''

باب 4 :۔ اردو کے منتخب خاکہ نگاروں کا مطالعہ

۱ :۔ مولوی عبدالحق کا تعارف اور خاکہ نگاری

۲ :۔ رشید احمد صدیقی کا تعارف اور خاکہ نگاری

۳ :۔ قاضی عبدالغفار کا تعارف اور خاکہ نگاری

باب 01 :۔خاکہ نگاری کا تعارف،اہمیت اور آغاز وارتقاء

فہرست

1.0 مقاصد
1.1 تمہید
1.2 موضوع کی وضاحت
1.2.1 خاکہ نگاری کا تعارف
1.2.2 خاکہ نگاری کی تعریف
1.2.3 خاکہ نگاری کی اہمیت
1.2.4 اردو میں خاکہ نگاری کے اولین نقوش
1.2.5 اردو میں خاکہ نگاری کا آغاز وارتقاء
1.3 خودآموزی کے لیے سوالات
1.4 خلاصہ
1.5 مشقی سوالات
1.6 الفاظ ومعنی
1.7 حوالہ جات کتب

1.0 مقاصد

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد طلباء ۔۔۔

- خاکہ نگاری سے واقف ہوسکیں گے۔
- خاکہ کے متعلق ماہرین کی مختلف تعریفات کا جائزہ لے سکیں گے۔
- خاکہ نگاری کی اہمیت بیان کرسکیں گے۔
- خاکہ نگاری آغاز کس طرح ہوا؟ یہ بتاءسکیں گے۔
- خاکہ نگاری کے اولین نقوش بیان کرسکیں گے۔

1.1 تمہید

اس اکائی میں اردو کی صنف خاکہ نگاری کے متعلق جائزہ لیا گیا ہے۔ اردو ادب میں خاکہ نگاری منفرد حیثیت کی حامل ہے اس کی ابتداء نقوش ہمیں تذکروں میں ملتے ہیں۔ اردو میں خاکہ نگاری کا رواج انگریزی کے ذریعہ اندر داخل ہوا ہے۔ دراصل خاکہ میں خاکہ نگار کسی شخصیت کے چند اہم پہلوؤں کو اس ہنرمندی سے پیش کرتا ہے کہ اس فرف کی مکمل شخصیت، قاری کی آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔

1.2 موضوع کی وضاحت

1.2.1 خاکہ نگاری کا تعارف

اردو کی جدید نثری اصناف میں ناول افسانہ ڈرامہ اور انشائیے کی طرح خاکہ بھی ادب کی ایک منفرد صنف ہے اردو ادب کی اصطلاح میں خاکہ نگاری انگریزی skech کا اردو ترجمہ ہے جس کے لغوی معنی ڈھانچہ بنانا یا مسودہ تیار کرنا ہے۔ ادبی نقطہ نظر سے خاکا شخصیت کی ہو بہو عکاسی کا نام ہے خاکہ نگاری میں نہ صرف شخصیت کی ظاہری تصویر کشی کی جاتی ہے بلکہ باطن کا بھی احاطہ کیا جاتا ہے بعض اصناف ظاہری طور پر بہت سادہ نظر آتے ہیں لیکن حقیقت میں بہت پیچیدہ ہوتے ہیں خاکہ نگاری بھی ایک ایسی ہی صنف ہے اس کو اشاروں کا آرٹ بھی کہا جاتا ہے خاکہ نگاری میں زندگی کے ہر پہلو کو سمو لینے کی بڑی صلاحیت ہوتی ہے خاکہ کے فن کے متعلق ڈاکٹر خلیق انجم لکھتے ہیں:

''خاکے کا فن بہت مشکل اور کٹھن ہے اسے اگر نثر میں غزل کا فن کہا جائے تو غلط نہ ہوگا جس طرح غزل میں طویل مطالب بیان کرنے پڑتے ہیں ٹھیک اسی طرح خاکے مختصر الفاظ میں پوری شخصیت پر روشنی ڈالی پڑتی ہے۔''

1.2.2 خاکہ نگاری کی تعریف

'' ادب کی جس صنف کے لئے انگریزی میں اسکیچ یا پن پورٹریٹ (portratepin) کا لفظ استعمال ہوتا ہے اردو میں اسے خاکہ کہا جاتا ہے۔''

اردو میں خاکہ کو شخصیت نگاری اور مرقع نگاری بھی کہا جاتا ہے جس نثری تحریر میں کسی شخصیت کی معرکہ کشی کی گئی ہو اسے بھی خاکہ کہہ سکتے ہیں۔

ڈاکٹر احمد فاروقی خاکہ کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں:

'' اچھے اسکیچ کی تعریف ہی یہ ہے کہ بعض گوشوں کی نقاب کشائی ایسی مہارانہ نفاست کے ساتھ کی جائے کہ اس شخصیت کا

خاص تاثر پڑھنے والے کے ذہن میں خود بخود پیدا ہوا چھا خاکہ وہی ہے جس میں کسی انسان کے کردار اور افکار دونوں کی جھلک ہو تاکہ پڑھنے کے بعد اس کی صورت اس کی سیرت اس کا مزاج 'اس کے ذہن کے افتاد اس کا زاویۂ فکر صرف اس کی خوبیاں اور خامیاں سب نظروں کے سامنے آجائیں۔''

(ڈاکٹر نثار احمد، اردو میں خاکہ نگاری ص 18)

محمد حسین آزاد خاکہ کی تعریف یوں بیان کی ہے:

''خاکہ ایک ایسی صنف ہے جو کسی بت تراش یا مصور یا فوٹو گرافر کا عمل نہیں اس تصویر کا خالق قلم کار ہوتا ہے کسی فرد واحد کی گم سم تصویر نہیں، یہ ہنستی بولتی تصویر ہے جو ہمارے احساسات کو برانگیختہ کرنے کی قوت رکھتی ہے۔''

(صابرہ سعید، اردو خاکہ نگاری)

خاکہ نگاری کسی شخصیت کی عکاسی کا نام ہے اس کے ذریعے کسی کی شخصی کو سنوارا جاتا ہے خوبیوں اور خامیوں دونوں کو خاکے میں پیش کیا جاتا ہے۔ اردو ادب میں خاکہ نگاری کو مرقع نگاری اور قلمی تصویر بھی کہتے اچھے خاکہ نگار کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ جس شخصیت کی خاکہ نگاری کر رہا ہے اس شخصیت کا اثر خاکہ پڑھنے والے پر خود بخود پڑتا ہے تاکہ پڑھنے کے بعد اس شخصیت کی صورت سیرت اس کا مزاج اس کے افکار اس کی خوبیاں اور خامیاں نظر کے سامنے آجاتے ہیں اردو میں خاکہ نگاری کا میدان نہایت وسیع ہے۔

1.2.3 خاکہ نگاری کی اہمیت

سوانحی ادب میں خاکہ نگاری کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ دیگر نثری اصناف کی طرح خاکہ نگاری بھی کم عرصے میں پروان چڑھ گئی سوانح کی طرح خاکے میں شخصیت ہی کو موضوع بنایا جاتا ہے۔ خاکہ نگار کسی شخصیت کی زندگی کے نشیب و فراز کو تفصیلی اور اجمالی طور پر قلم بند کرتا ہے اور کسی معمولی یا غیر معمولی انسان کی زندگی کے حالات، عادات و اطوار اور اہم واقعات اس انداز میں بیان کرتا ہے کہ اس شخصیت کا ایک خاکہ یا ایک تعارف قاری کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے جو اہمیت و افادیت اردو ادب میں سوانحی ادب کی ہے وہی اہمیت و افادیت خاکہ نگاری کی بھی ہے۔

(ا) خاکہ نگاری کی تاریخی اہمیت:

تاریخ ایک مکمل مضمون ہے عام طور پر تاریخ کی تعریف اس طرح سے بیان کی جاتی ہے ماضی میں بیتے ہوئے واقعات کو بیان کرنا تاریخ کہلاتا ہے۔ اُردو ادب میں جن جن ادوار میں خاکہ نگاروں نے خاکے تحریر کیے ہیں اس سے ہمیں

اس دور کی اصل تاریخ کا بھی اندازہ ہوتا ہے مثال کے طور پر مرزا فرحت اللہ بیگ کے خاکوں سے آزادی سے پہلے کی تاریخی حالات کا ذکر ملتا ہے فرحت اللہ نے ۱۹۲۷ء میں ''نذیر احمد کی کہانی کچھ ان کی کچھ میری زبانی'' کے نام سے ایک خاکہ لکھا ہے جو تاریخی اعتبار سے اردو خاکہ نگاری میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ اس میں نذیر احمد کے دور کے تاریخی حالات کا کا ذکر بڑی خوبی کے ساتھ کیا ہے

مولوی عبدالحق کی تصنیف ''چند ہم عصر'' ے ان کے عہد کے کے حالات کا تذکرہ ملتا ہے اور اس دور کے تاریخی حالات کا بھی ذکر کیا گیا ہے مولوی عبدالحق نے ۱۹۵۷ء میں اپنے ہم عصر سرشعراء اور ادیب اور اہم شخصیتوں پر خاکے لکھ کر ان کی حالات زندگی پر روشنی ڈالی ہے اور خود مولوی عبدالحق کے زندگی کے حالات کا بیان بھی ملتا ہے مولوی عبدالحق کا خاکہ گدڑی کا لعل نورخان میں لارڈ کرزن کا ذکر ہے۔جس سے پتہ چلتا ہے کہ لارڈ کرزن اس دور حکومت میں اورنگ آباد کا گورنر تھا اس طرح کے تاریخی حالات ہمیں معلوم ہوتے ہیں۔ اس کے بعد جامعہ عثمانیہ کا قیام کا ذکر ہیا وراس کی تاریخ کا ذکر بھی مولوی عبدالحق کے خاکہ نگاری کے ذریعے ملتا ہے.

آغا حیدر حسن نے بھی تاریخی وادبی شخصیتوں پر خاکے لکھے ہیں آغا حسن کا شمار آزادی سے پہلے کے خاکہ نگاروں میں ہوتا ہے ان کے خاکوں میں آزادی سے پہلے کے حالات اور واقعات کا ذکر ملتا ہے۔محمد شفیع دہلوی کا شمار بھی آزادی سے پہلے کے خاکہ نگاروں میں ہوتا ہے محمد شفیع دہلوی کی ایک تصنیف میں ''پرانی دلی کی تاریخ'' اوراس دور حالات کا ذکر ہے۔ خواجہ غلام السیدین کا شمار بھی اردو کے اہم خاکہ نگاروں میں ہوتا ہے آپ نے اردو کی ایک تاریخی شخصیت جواہر لال نہرو پر خاکہ تحریر کیا ہے یہ ہندوستان کے ایک مرد مجاہد تھے۔اس کے بعد عبدالماجد دریابادی، رشید احمد صدیقی، عصمت چغتائی، سعادت حسب منٹو، اشرف صبوحی، دیوان سنگھ مفتون، شوکت تھانوی، عبدالمجید دریا آبادی، مالک رام وغیرہ کے خاکہ نگاروں خاکوں میں تاریخی حالات کا تذکرہ ملتا ہے۔

(۲) خاکہ نگاری کی ادبی تاریخی اہمیت:

خاکہ نگاری کی تاریخی ادبی اہمیت بھی ہے کیونکہ خاکوں میں جس ادبی شخصیت کا ذکر کیا جاتا ہے اس سے اس کے عہد کی ادبی تاریخ کا بھی پتہ چلتا ہے۔جس کی وجہ سے اس زمانے کی تاریخی ادب کی اہمیت کا بھی پتہ چلتا ہے۔اس دور میں چلنے والے ادبی تحریکوں کا بھی ادیبوں کے اوپر کیا اثر ہوا اس کا بھی پتہ چلتا ہے۔اس کے علاوہ کسی دور کے کسی شخص کا خاکہ بیان کرتیوقت اس دور کے ادبی شخصیات کا تذکرہ آنے سیان کے معاصرین کی ادبی تاریخ ملتی ہے۔

مولوی عبدالحق نے اپنے معاصرین ادیبوں کے متعلق خاکے لکھے ہیں جن سے اس دور کے ادبی تاریخ کا پتہ چلتا ہے۔

رشید احمد صدیقی نے بھی اپنے دور کے ایسے شاہکار ادیبوں کے خاکے لکھ کر خاکہ نگاری میں ان کی ادبی تاریخی اہمیت میں اضافہ کیا ہے۔ خاکہ نگاری میں ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔

(۳) خاکہ نگاری کی ادبی اہمیت:

خاکہ نگاری کی ادبی اہمیت یہ ہے کہ خاکہ بذات خود اصناف نثر کی ایک صنف ہے خاکہ نگاری کا شمار ادبی صنف کی حیثیت سے کیا جاتا ہے خاکہ نگاری کی ترقی ادبی اہمیت کی حامل ہے خاکہ نگاری ادب کی ایک جدید صنف ہے اس لحاظ سے ادب میں خاکہ نگاری کی اخاص اہمیت ہے اور سوانحی ادب کی ایک شاخ ہے ادبی لحاظ سے بھی خاکہ نگاری کی بھی ترقی ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ سوانح حیات طویل ہوتی ہے قاری کو پڑھنے کے لئے وقت لگتا ہے سوانح نگار جس کی سوانح لکھ رہا ہوتا ہے اس کے آباواجداد سے لے کر اس کی پیدائش زندگی کے حالات، اہم کارنامے اور وفات تک کے تمام حالات لکھتا ہے جسے پڑھنے کے لئے کافی وقت لگتا ہے۔ ناول نگاری سے بھی اس کی مثال دے سکتے ہیں ناول میں کسی شخص کی یا کسی سماج کے عروج وزوال کی مکمل بات بتائی جاتی ہے جو بہت طویل ہوتا ہے خودنوشت سوانح میں بھی انسان جب تک زندہ ہے وہاں تک کے اپنے حالات لکھتا ہے خودنوشت بھی ایک طویل صنف ہے اگر ہمیں کسی انسان کی شخصیت کے تعلق سے معلومات حاصل کرنی ہے یعنی کسی علمی ادبی سیاسیمذہبی سماجی شخصیت کے بارے میں مختصر اور کم سے کم وقت میں معلومات حاصل کرنا ہے تو ہمیں خاکے ہی پڑھنے پڑتے ہیں کیونکہ خاکے انشائیے کی طرح ہوتے ہیں اسے قاری ایک نشست میں بیٹھ کر پڑھ سکتا ہیا سے مکمل سوانح پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ خاکہ پڑھنے کے بعد قاری کو اس شخص کے بارے میں اور جاننے کی دلچسپی پیدا ہوا اور تفصیلی معلومات حاصل کرنا چاہتا ہے قاری خاکہ پڑھنے کے بعد اس شخصیت کے بارے میں اس کی مکمل سوانح بھی پڑھ لے گا۔ لیکن بنیادی طور پر کسی شخص کی معلومات حاصل کرنی ہے تو ایک خاکہ پڑھتے ہی فوراً اس کی شخصیت کا اندازہ ہوتا ہے اس طرح سے خاکہ نگاری کی ادبی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔

خاکے میں انشائیے کے پہلو بھی نظر آتے ہیں جیسا کہ محمد حسین آزاد نے آب حیات میں کچھ شخصیتوں کے تعلق سے لکھا ہے حالانکہ وہ خاکے نہیں ہیں لیکن اس کو خاکہ نگاری کی ابتدا میں شمار کیا جاتا ہے جہاں جہاں محمد حسین آزاد نے شخصیتوں کے تعلق سے لکھا ہے وہاں انشائیے کا پہلو بھی نظر آتا ہے اور نثر نگاری کی خوبیاں ظاہر ہوتی ہیں اسی طرح خاکہ نگاری میں بھی اعلی نثر کے نمونے ملتے ہیں اس کے علاوہ اگر مکالمہ کی اہمیت کو بھی سمجھنا ہے تو خاکوں میں اس کی بھی مثالیں ملتی ہیں۔

ادبی شخصیتوں پر اکثر جو خاکے لکھے جاتے ہیں تو اس ادبی شخصیت کی ادب میں جتنی اہمیت ہے اتنی اس خاکے کی ادبی اہمیت بڑھ جاتی ہے ادبی شخصیتوں کے تعلق سے خاکہ لکھتے وقت خاکہ نگار اس ادبی شخصیت کی کچھ ادبی خوبیوں کا ذکر بھی

کرتا ہے اس لحاظ سے بھی ادب کے کچھ ایسے پہلو ادیب کے تعلق سے اس کے لکھے ہوئے ادب میں پڑھنے کو نہیں ملتے ہیں وہ اس پر لکھے ہوئے خاکے میں پڑھنے کو ملتے ہیں۔ مثال کے طور پر حالی کے خاکے کے مطالعہ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ حالی کو اب تک ہم بہت بڑا نقاد، بڑا سوانح نگار، بہترین مقالہ نگار بہترین اصلاحی و اخلاقی شاعر اور معلم اخلاق کے طور پر جانتے ہیں لیکن عبدالحق کا خاکہ پڑھنے کے بعد ان کی ایک دوسری ادبی خواہش کا بھی پتہ چلتا ہے مولوی الطاف حسین حالی کو ڈرامے میں بھی بہت دلچسپی تھی وہ چاہتے تھے کہ اردو میں ڈراما کی صنف بھی قائم ہو اور اس کی ترقی ہو اس ضمن میں حالی نے بھی کچھ کوشش کی لیکن وہ ہو نہیں پایا۔ یہ بات تعجب خیز ہے کہ حالی کو ڈراما نگاری میں بھی دلچسپی تھی اس کے علاوہ حالی ایک لغت بھی مرتب کرنا چاہتے تھے اس طرح حالی کے خاکے سے یہ بات بات سمجھ میں آتی ہے کہ ان کا رجحان اس طرف بھی تھا۔ حالی کو انگریزی نہیں آتی تھی لیکن وہ انگریزی کی کتابیں ترجمہ کی صورت میں پڑھ کر انہوں نے انگریزی ادب پر دسترس حاصل کی اس طرح حالی کے خاکے سے ان کی ادبی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔

اس کے علاوہ ایک دوسری مثال رشید احمد صدیقی کی ہے رشید احمد صدیقی کا جو خاکہ اقبال کے متعلق لکھا ہوا ہے اس کو پڑھنے کے بعد یہ بات سمجھ آتی ہے کہ علامہ اقبال مذہبی اعتبار سے ایک کتاب مرتب کرنا چاہتے تھے اور وہ رشید احمد صدیقی سے سے مذہب کے معاملات کو پیش کرنے کے لیے ہندوستان میں کون سی دو بڑی شخصیتیں ہیں جن کے مشورے لیے جا سکتے ہیں ان کے بارے میں پوچھتے ہیں ہیں تو رشید احمد انہیں مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا سید سلیمان ندوی کا نام بتاتا ہے۔ علامہ اقبال کو شاعر مشرق کے نام سے اور بڑے شاعر کے نام سے جانتے ہیں لیکن نثر میں اور خاص طور پر مذہبی معاملات کو انگریزی میں لکھنے کے لیے اقبال اپنی زندگی میں جدوجہد کر رہے تھے یہ ان کا دوسرا ادبی پہلو ہے۔ رشید احمد صدیقی کے خاکے سے پتہ چلتی ہے۔ اس طرح کی بہت سی مثالیں ہمیں خاکہ نگاری میں ملتی ہیں خاکہ نگاروں نے مشہور ادبی شخصیتوں پر خاکے لکھ کر ادب میں خاکہ نگاری کی ادبی اہمیت میں اضافہ کیا ہے۔

(۴) خاکہ نگاری کی سوانحی اہمیت:

سوانح نگاری کی جو اہمیت اردو ادب میں ہے وہی اہمیت خاکہ نگاری کی بھی ہے جیسے ناول کی اہمیت ہے ویسے ہی سوانحی کی اہمیت ہے اور جیسے افسانے کی اہمیت ہے ویسے ہی خاکے کی اہمیت ہے خاکہ نگاری سوانح نگاری کا ایک حصہ ہے۔ سوانح نگاری کی بہت سی صورتیں ہیں ان میں ایک شخصی خاکہ ہے جو سوانحی خاکہ کہلاتا ہے سوانح نگاری اور خاکہ نگاری میں موضوع کی کوئی قید نہیں ہوتی ہے معمولی انسان سے لے کر کسی بھی عظیم شخصیت پر سوانح یا خاکہ تحریر کیا جا سکتا ہے۔ کچھ ادیبوں نے چند ایسی سوانح عمری بھی لکھیں ہیں جو زیادہ طویل نہ تھیں انہیں سونحی خاکہ کہا گیا ہے مثال کے طور پر مرزا فرحت اللہ نے

نذیر احمد کے تعلق سے ایک سوانحی خاکہ ''نذیر احمد کی کہانی کچھ ان کی کچھ میری زبانی'' تحریر کیا ہے اس میں نذیر احمد کے سوانحی حالات کا ذکر کیا ہے یہ ایک طویل سوانحی خاکہ ہے اس خاکے سے ادب میں خاکہ نگاری کی سوانحی اہمیت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ قاضی عبدالغفار نے حکیم اجمل خان کے متعلق ایک طویل سوانح عمری لکھی ہے جس کا عنوان ''حیات اجمل'' ہے۔ اس تصنیف میں حکیم اجمل کی پیدائش سے لے کر وفات تک کے تمام حالات کا تذکرہ ملتا ہے۔ اس کے باوجود قاضی عبدالغفار نے ایک اور سوانحی خاکہ کا حکیم اجمل خان کے تعلق سے لکھا ہے اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حکیم صاحب کی شخصیت سماج اور ادب میں ایک خاص اہمیت کی حامل ہے۔

مختصر خاکے میں شخصیت کے وہ تمام اہم پہلوؤں کو اس انداز سے نمایاں کیا جاتا ہے کہ پڑھنے والے کے ذہن میں یہی تصویر ابھر کر آتی ہے جو سوانح نگار کے پیش نظر ہوتی ہے اور وہی تاثر قائم ہوتے ہیں جو سوانح نگار قائم کرنا چاہتا ہے اسی لئے بھی ادب میں خاکہ نگاری کی سوانحی اہمیت زیادہ ہے سوانحی خاکے افسانوں سے زیادہ دلچسپ ہوتے ہیں افادیت اور مقصدیت کے اعتبار سے یقیناً افسانوں پر فوقیت رکھتے ہیں۔

(۵) خاکہ نگاری کی اصلاحی واخلاقی اہمیت:

خاکہ نگاری کی اصلاحی واخلاقی اہمیت بہت زیادہ ہے اس لحاظ سے کہ کسی بھی زبان میں جو بھی خاکہ نگار خاکہ لکھتا ہے اکثر و بیشتر خاکہ نگاری کے لیے ایسی شخصیتوں کا انتخاب کرتا ہے جو سماجی اعتبار سے تعلیمی اعتبار سے ادبی اعتبار سے سیاسی اعتبار سے اعلی مقام رکھنے والے لوگ ہوتے ہیں اور ایسے لوگ جن میں خاص خوبیاں ہوتی ہیں ان کو اجاگر کرنے کے لیے خاکے لکھے جاتے ہیں اس سے بڑھ کر ایک اور فائدہ یہ ہے کہ ایسی شخصیتوں کے خاکے پڑھ کر قاری کے اندر ایک تحریک پیدا ہوتی ہے اور جدوجہد کا جذبہ پیدا ہوتا ہے بڑی بڑی اور نامور شخصیتوں کی تاریخ اور سیرت پڑھنا یہ ہر مذہب اور ہر سماج میں عام طور پر ضروری قرار دیا گیا ہے تاکہ بڑے لوگوں کے حالات پڑھنے سے انسان کے اندر اصلاحی واخلاقی پہلو اور جدوجہد کا جذبہ پیدا ہوتا ہے بڑی شخصیتوں میں بہت سے بنیادی صفات ہوتی ہیں عام طور پر یہ خوبی ہوتی ہے کہ وہ جدوجہد کرتے رہتے ہیں اور صفر سے اپنی زندگی کی شروعات کرتے ہیں اور اعلی سے اعلی مقام پر پہنچ جاتے ہیں لوگ ایسے اشخاص کو پڑھیں گے تو ان کے اندر بھی ایسا ہی جذبہ پیدا ہو جاتا ہے اور سماج کی اصلاح ہوتی ہے اور ایسے اشخاص جن پر خاکے لکھے جاتے ہیں وہ اعلی اخلاقی میعار والے ہوتے ہیں جیسے سچ بولنا ہمدردی کرنا دوسروں کی مدد کرنا اعلی تعلیم حاصل کرنا۔ ان کی معیاری واخلاقی حالت دیکھ کر لوگوں میں اعلی تعلیم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے سخاوت کی خوبی دیکھ کر سخاوت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جس سے سماج کی اصلاح ہوتی ہے کچھ لوگ سچ کے لیے اپنی جانیں قربان کرتے ہیں ایسے لوگوں کے حالات پڑھیں گے تو سچ بولنے کی خوبی کا پت

پتہ چلتا ہے اور قاری کے ذہن میں سچ بولنے اور سچائی کی اہمیت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اس اعتبار سے سچائی اور ایمانداری کا جذبہ، خدمت خلق کا جذبہ اوروں کے لیے جینے کا جذبہ عام ہو رہا ہے جن لوگوں کے خاکے لکھے جا رہے ہیں ان میں یہ تمام صفات اور خوبیاں پائی جاتی ہیں خاکہ نگار سماج کی اصلاح اور اخلاقی پہلو کو پروان چڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ خاکہ نگاری میں اصلاحی و اخلاقی کی اہمیت کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

مولوی عبدالحق نے حالی کے خاکے میں ان کے متعلق لکھا ہے کہ حالی ایک ہمدرد سچے اور نیک انسان تھے حالی کے گھر ایک روز مہمان آتا ہے اور ٹھنڈ زیادہ ہونے کی وجہ سے حالی آدھی رات کو اٹھ کر برآمدے میں جا کر اس پر چادر ڈالتے ہیں اس شخص کو حالی کی ہمدردی کا احساس ہوتا ہے اس سے قاری کے ذہن میں انسانی جذبے کا احساس پیدا ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ مولوی عبدالحق نے اور دو عام شخصیتوں پر خاکے لکھے ہیں ایک نام دیو مالی کا اور دوسرا گدڑی کا لعل نور خان کا خاکہ یہ دونوں خاکے عام اور معمولی انسانوں پر لکھے گئے ہیں ان میں نام دیو ایک باغ کا مالی ہے اور نور خان ایک سپاہی ہے اور اصول پرست ہے نام دیو ایک معمولی انسان تھا لیکن بڑی خوبیوں کا مالک تھا رات دن محنت کرتا تھا اسی طرح نور خان میں بھی نیک نفسی، حق گوئی، خودداری، شرافت، ایمانداری جیسی صفات اس موجود تھی۔ ان دونوں کے خاکے پڑھ کر قاری کے ذہن میں اسی طرح کے اخلاقی رجحان کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

اس طرح قاضی عبدالغفار نے بھی حکیم اجمل خان کے خاکے میں ان کے صبر کے جذبے کا ذکر کیا ہے حکیم حکیم اجمل خان سماج کے فائدے کے لئے لوگوں کے ساتھ ہنستے بولتے ہوئے نظر آتے ہیں لیکن اپنی ذاتی زندگی میں اپنے ذاتی غم کو چھپا رکھا ہے اس کے علاوہ سماجی سیاسی کاموں میں جدوجہد اور دلچسپی کا بھی تذکرہ کیا ہے جسے پڑھ کر قاری کے ذہن میں اس طرح کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

رشید احمد صدیقی کا بھی اقبال کے اوپر لکھا ہوا جو خاکہ ہے اس میں اقبال کے اخلاقی پہلو کا ذکر کیا گیا ہے۔ کہ ایک نوجوان شاعر آکر تعلّی کر رہا ہے اور شیخیاں بگھار رہا ہے اور اقبال ہیں کہ خاموشی سے سن رہے ہیں پڑھنے والے کو یہ بات سمجھ آتی ہے کہ اقبال چاہے تو اس کی وہیں پر اصلاح کر سکتے ہیں لیکن اقبال نے یہاں ضبط سے کام لیا ہے اور ضبط کا جذبہ اعلی لوگوں کی مثال ہوتا ہے۔ پڑھنے والے کو محسوس ہوتا ہے کہ ایسی اعلی ظرفی ہے ہم بھی پیدا ہونا چاہیے۔

ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ پڑھنے والا قاری سماج کا ہی حصہ ہوتا ہے نہ صرف خاکہ نگار بلکہ تمام ادب کا مقصد ہی اصلاح ہے دنیا کا کوئی بھی ادب ہو یا کوئی بھی صنف اسمیں سماج کی اصلاح کا پہلو ہی ہوتا ہے سماج کی اصلاح کے لئے ہی ادب لکھا جاتا ہے ادب سماج کی عکاسی کرتا ہے سماج کے جو اچھے پہلو ہے اس کو پیش کرتا ہے تاکہ پڑھ کر لوگوں کے اندر وہ اصلاح کا جذبہ پیدا ہو اور جو برائیاں ہیں۔ اس کی مخالفت کرتا ہے اور اس سیقاری کو یہ جذبہ ملتا ہے کہ اس کی مخالفت کرنی چاہیے اور

سماج سے ایسی برائی کو دور کرنا چاہیے یہ ایک اصلاحی پہلو ہے اس قسم کی جو بھی چیزیں ہیں وہ خاکہ نگاری کی اہمیت وافادیت کے تعلق سے بتائی جاسکتی ہیں۔

الغرض مرزا فرحت اللہ بیگ، رشید احمد صدیقی، مولوی عبدالحق، سعادت حسن منٹو، آغا حیدر حسن محمد شفیع دہلوی، عبد الماجد دریابادی، مالک رام وغیرہ خاکہ نگاروں نے اردو ادب اور سماج کے اعلی معیار لوگوں کے خاکے لکھ کر اصلاحی و اخلاقی رجحان کو قاری تک پہنچانے کی کوشش کی ہے اسی لیے خاکہ نگاری کی اصلاحی و اخلاقی کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔

(۶) خاکہ نگاری کی لسانی اہمیت:

خاکہ نگار اپنے خاکوں میں جس دور کی بھی بات کرتا ہے اس زمانے کی لسانی اہمیت کا پتہ چلتا ہے ادب کی کوئی بھی صنف ہو اس میں زبان و بیان کی اہمیت بہت زیادہ ہوتی ہے اور یہی حال خاکہ نگاری کا بھی ہے یہ ایک بیانیہ صنف ہے اس میں زبان و بیان کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر اگر خاکوں میں سرسید کے ادوار کا تذکرہ ہو رہا ہے تو ان کی نثر میں جو انگریزی الفاظ کا استعمال ہوے ہیں اس سے اس دور کی لسانی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔

حالی کے مطالعہ سے ہمیں میں ان کے دور میں ہندی اور اردو کا جو جھگڑا چل رہا تھا اس کا پتہ چلتا ہے اس کے علاوہ برج بھاشا کا جو مسئلہ اس زمانے میں اٹھا تھا تو حالی نے برج بھاشا کی حمایت میں کہا تھا کہ اردو برج بھاشا سے نکلی ہے۔ وحید الدین کے خاکے سے پتہ چلتا ہے کہ وحید الدین ترجمہ نگاری میں لسانی اعتبار سے جو کام کیا ہے اس سے اس دور کی لسانی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ خاکہ نگاری میں ایسے بے شمار مثالیں ملتی ہیں جس سے سے خاکہ نگاری کی لسانی اہمیت واضح ہوتی ہے جسے ہم کبھی فراموش نہیں کر سکتے ہیں۔

(۷) خاکہ نگاری کی شخصی اہمیت:

خاکہ نگاری یہ کسی انسان کے بارے میں ایک ایسی تحریر ہوتی ہے جس میں ایک شخصیت کے گفتار و کردار کا اس انداز میں مطالعہ کیا جاتا ہے کہ وہ شخص ایک زندہ آدمی کی طرح قاری کے ذہن میں متحرک اور چلتا پھرتا ہوا اچھے برے کام کرتا ہوا نظر آتا ہے جتنی جاندار اور بھرپور انداز سے شخصیت ابھرے گی اتنا ہی خاکہ کامیاب نظر آتا ہے۔ خاکہ نگاری ادب کی ایک ایسی صنف ہے جس میں خاکہ نگار شخصیت کی تصویر اس طرح کھینچتا ہے کہ اس کے ظاہر اور باطن دونوں قاری کے ذہن میں ابھرنے لگتے ہیں بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قاری قلمی چہرہ نہیں دیکھ رہا ہے بلکہ خود شخصیت کو دیکھا ہے۔

خاکہ نگاری کی شخصی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ خاکہ نگار کسی معمولی شخص کو غیر معمولی بھی بنا سکتا ہے بڑی شخصیت کو جتنا

چاہے اتنا بڑا دکھا سکتا ہے لیکن چھوٹے انسان کو بڑا دکھانا مشکل فن ہے اس کی ایک مثال مولوی عبدالحق کے دو خاکے نام دیو اور نورخان کے متعلق ہیں جو انہوں نے عام اور معمولی اشخاص پر خاکے لکھ کر ادب میں ان کی شخصی اہمیت میں اضافہ کیا ہے۔ مولوی عبدالحق نے ان دونوں اشخاص کی وہ خوبیاں اور صفات بیان کی ہیں جو اعلیٰ سے اعلیٰ شخص میں موجود نہیں ہوتی ہیں ان کے خاکوں سے خاکہ نگاری کی شخصی اہمیت کا پتہ چلتا ہے اس کے علاوہ انہوں نے اردو کے بڑے بڑے ادیبوں اور شاعروں کیبھی خاکے لکھے ہیں۔

مالک رام نے ادب کی ایک بڑی شخصیت مرزا غالب پر خاکہ لکھ کر خاکہ نگاری کی شخصی اہمیت میں اضافہ کیا ہے مرزا فرحت اللہ نے بھی اردو ادب میں نذیر احمد کے متعلق خاکہ لکھ کر خاکہ نگاری کا باقاعدہ آغاز کیا ہے نذیر احمد بھی اردو ادب کی اہم شخصیات میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ آغا حسن نے بھی تاریخی و ادبی شخصیتوں پر خاکے لکھے ہیں محمد شفیع دہلوی نے دہلی کے چند اہم اشخاص پر خاکے تحریر کیے ہیں اس طرح سے تمام خاکہ نگاروں نے ادبی، سماجی، سیاسی، مذہبی، تاریخی شخصیات پر خاکے لکھ کر خاکہ نگاری کی شخصی اہمیت میں اضافہ کیا ہے۔

خود کو جانچنے کے لیے سوالات۔ا

سوال نمبر ا:۔ مندرجہ ذیل میں خالی جگہ پر کیجیے۔

(ا) دور جدید کے نثری اصناف میں ------ کا بھی شمار ہوتا ہے۔

جواب : خاکہ نگاری

(۲) خاکہ نگاری ایک ایسی صنف ہے جس کو ------ آرٹ بھی کہا جاتا ہے۔

جواب : اشاروں

(۳) خاکے کا فن بہت مشکل اور کٹھن ہیں اگر اسے ------ کا فن کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔

جواب : غزل

(۴) اردو ادب کی اصطلاح میں خاکہ نگاری انگریزی ------ کا ترجمہ ہے۔

جواب : اسکیچ/sketch

(۵) ادبی نقطہ نظر سے خاکہ ------ ہو بہو عکاسی نام ہے

جواب : شخصیت

(۶) اردو میں خاکے کو شخصیت نگاری اور ------ بھی کہا جاتا ہے

جواب : مرقع نگاری

(۷) خاکہ نگاری کے لفظی معنی ڈھانچہ بنانا یا ۔۔۔۔۔۔ ہے۔

جواب : مسودہ تیار کرنا

(۸) خاکے کے ابتائی نقوش ۔۔۔۔۔۔ میں نظر آتے ہیں.

جواب : تذکروں

سوال نمبر۲:۔مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات مختصراً دیجیے۔

(۱) خاکے کی تعریف بیان کیجئے ؟

(۲) خاکہ نگاری کے فن پر روشنی ڈالیے؟

(۳) اچھا اسکیچ کیا ہوتا ہے؟

(۴) محمد حسین آزاد نے خاکہ نگاری کی تعریف کس طرح بیان کی ہے؟

(۵) خاکے کا فن مشکل کیوں ہے؟ واضح کیجیے۔

1.2.4 اردو میں خاکہ نگاری کے اولیں نقوش

اردو ادب میں خاکہ نگاری کی ابتدا کب اور کیسے ہوئی اس کا قطعی طور پر تعین نہیں کیا جا سکتا لیکن تذکروں میں خاکہ نگاری کے اولین اور ہلکے پھلکے نقوش ملتے ہیں یہ نقوش اتنے مکمل نہیں ہیں کہ انہیں خاکس سب سے پہلے میر تقی میر کی نکات الشعراء و1965 میں لکھا گیا اس میں بھی خاکہ نگاری کے چند پہلو نظر آتے ہیں اور تذکروں میں شخصیات کی چند جھلکیاں خاکوں سے ملتی ہیں ان کو لکھتے وقت شخصیت نگاری کے فنی اصولوں کو پیش نظر نہیں رکھا گیا ہے اور نہ ہی تذکرہ نگاروں نے اس کو ایک ادب کی صنف کی حیثیت سے برتا ہے۔ تذکروں کے بعد انشاء اللہ انشاء کی تصنیف ''دریائے لطافت میں کردار نگاری کی چند جھلکیاں نظر آتی ہیں انشاء نے کچھ اشخاص کی کامیاب تصویریں پیش کی ہیں لیکن ان میں شخصی فطرت کی عکاسی کم حلیہ اور ہیئت نگاری زیادہ نظر آتی ہے. ان کے خاکوں کو پروٹو ٹائپ (prototyp) خاکے کہا جاتا ہے۔

محمد حسین آزاد پہلے تذکرہ نگار ہیں جنہوں نے مختلف افراد کا حلیہ عادت واطوار' نظریات وعقائد اور ان کی خوبیوں اور خامیوں کو اس طرح پیش کیا ہے کہ پوری شخصیت ہماری نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے. کرنل ہالرائیڈ کی ایما پر محمد حسین آزاد نے چند تمثیلی انشائیے لکھے ہیں ان میں بھی کہیں کہیں خاکے کی جھلکیاں نظر آتی ہیں. آزاد نے اردو کے مشہور شعراء میں سودا' میر' درد' میر حسن' انشاء جرات' ناسخ' مومن' اور غالب کا ذکر مختصر الفاظ میں کیا ہے. محمد حسین آزاد کی مشہور تصنیف "دربار اکبری میں بھی خاکہ نگاری کی جھلکیاں نظر آتی

ہیں. اس میں بھی سیرت نگاری، حلیہ نگاری اور کردار نگاری کے اچھے نمونے ملتے ہیں. محمد حسین آزاد کی ایک اور تصنیف "آب حیات" جو خاکوں کے قریب نظر آتی ہے اس میں انہوں نے شاعر کا حلیہ عادت واطوار' خوبیوں اور خامیوں کا ذکر کیا ہے. آب حیات میں محمد حسین آزاد میں زمانے کے اعتبار سے اردو شعراء کے طبقات متعین کیے ہیں." آب حیات" اس حیثیت سے بھی کافی اہم ہے کہ اس میں شعرا کے اتنے مفصل خاکے پہلی مرتبہ پیش کئے گئے ہیں اس اعتبار سے محمد حسین آزاد پہلے شخصیت نگار ہیں. انگریزی میں آب حیات کا جواب جانسن کی لائف آف دی پوئٹس (poetstheofLife) کی تین جلدیں ہیں. جانسن نے تین جلدوں میں مشہور و معروف اور غیر معروف اشخاص کا طویل اور کچھ کا مختصر جائزہ لیا ہے محمد حسین آزاد اور جانسن دونوں اپنی اپنی زبانوں میں خاکہ نگاری کے اولین اور پیش رو قرار دیے جاسکتے ہیں۔

مرزا ہادی رسوا اور عبدالحلیم شرر نے محمد حسین آزاد کی رکھی ہوئی بنیادوں پر عمل کیا. عبدالحلیم شرر کی تصنیف "سیر رجال ونسواں" میں شخصی مرقعوں کے زیادہ واضح نمونے ملتے ہیں. عبدالحلیم شرر نے اہم شخصیتوں کے علاوہ غیر اہم موضوعات پر بھی مضامین لکھے ہیں. شرر نے بالخصوص ایک طرح کیا فراد کو موضوع نہیں بنایا ہے ان کے یہاں عظیم اور معمولی دونوں قسم کے لوگ ملتے ہیں. شرر کو مختصر الفاظ میں سیرت کی بھرپور عکاسی کرنے کا طریقہ حاصل تھا شرر کے بعد مرزا رسوا کا "وضع داران لکھنؤ" کے نام سے اہم شخصیات پر مضامین کا مجموعہ شائع ہوا ہے. رسوا کے بعد خواجہ حسن نظامی نے دلی کے اکثر بڑی شخصیتوں کی تصویر کشی کی ہے جنہیں وہ قلمی چہرے کہا کرتے تھے". محرم نامہ "میں کربلا سے متعلق مختلف اشخاص کے حلیے ان کی سیرت اور متعلقہ واقعات کو منفرد انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے ان کے یہاں خاکہ نگاری کے اہم لوازم حلیہ نگاری' سیرت کی عکاسی' منظر نگاری' واقعہ نگاری سب کچھ نظر آتا ہے. اس کے باوجود انہیں مکمل خاکہ نگار نہیں کہا جاسکتا۔ الغرض عبدالحلیم شرر' مرزا ہادی رسوا' خواجہ حسن نظامی کی تخلیقات کو اردو خاکہ نگاری کی تاریخ میں بنیادی اہمیت حاصل رہے گی۔

1.2.5 اردو میں خاکہ نگاری کا آغاز وارتقاء

(ا) مرزا فرحت اللہ بیگ

اردو میں خاکہ نگاری کا باقاعدہ آغاز بیسویں صدی میں مرزا فرحت اللہ بیگ کی تحریر "نذیر احمد کی کہانی کچھ میری کچھ ان کی زبانی" سے ہوتا ہے۔ مرزا فرحت اللہ نے اسے ایک مستقل صنف کے درجے پر پہنچا دیا ہے جس کی وجہ سے اردو ادب میں خاکہ نگاری کے ایک نئے باب کا آغاز ہوتا ہے مرزا فرحت اللہ کا خاکہ "نذیر احمد کی کہانی" اردو کا پہلا کامیاب اور مکمل خاکہ تسلیم کیا جاتا ہے اس خاکے کی کامیابی کی ایک وجہ اس کے اسلوب کی شگفتگی ہے. فرحت اللہ کے اسلوب میں جو شوخی اور شگفتگی ہے وہ اس خاکے میں نظر آتی ہے اسلوب کی شگفتگی کے علاوہ حقیقت نگاری بھی اس خاکے کی ایک دوسری بڑی خوبی ہے اس خاکے میں عقیدت واحترام کے ساتھ سچی کردار نگاری

پیش کی گئی ہے مرزا فرحت اللہ نے اس خاکے میں نذیر احمد کی فطرت کو جس عمدگی سے آشکار کیا ہے اس سے پہلے اردو میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی. نذیر احمد کی زندہ دلی' خوش طبعی' علمیت' صاف گوئی و بے باکی اور اس کے ساتھ ان کی کنجوسی اور کاروباری ذہن کو جس فنکارانہ انداز میں پیش کیا جو کہ اس خاکے کو خاص بنا دیا ہے نذیر احمد مرزا فرحت اللہ کے استاد تھے اس لیے مرزا فرحت اللہ کے دل میں ان کے لئے احترام کے جذبات کا ہونا لازمی بات تھی "نذیر احمد کی کہانی" کے مطالعے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ مرزا فرحت اللہ ان کے ایسے شاگردوں میں سے تھے تو اپنی ذہانت اور حاضر جوابی کے سبب اپنے استادوں کے ساتھ شوخی سے پیش آتے تھے مرزا نذیر احمد کو جیسا پایا ویسا ہی پیش کیا حلیہ' چال ڈھال کردار و گفتار' کھانا پینا' بات چیت' علم سے وابستگی ان کا کاروباری ذہن اور حرکت کا ہر معاملہ کو شگفتگی کے ساتھ پیش کیا۔

(۲) نذیر احمد کی کہانی ایک گراں قدر کارنامہ

نذیر احمد کی کہانی کے بعد مولوی وحید الدین سلیم "پانی پتی کا خاکہ ""ایک وصیت کی تعمیل "مرزا فرحت اللہ کا دوسرا اہم خاکہ ہے اس خاکے میں مولوی وحید الدین کا ذکر کرتے ہوئے صاف گوئی سے کام لیا ہے اور کردار نگاری کے سارے تقاضے پورے کرنے کی کوشش کی ہے یہ خاکہ جیسے کہ نام سے ظاہر ہے کہ مولوی وحید الدین سلیم کی وصیت کی تعمیل میں لکھا گیا ہے جبکہ نذیر احمد کا خاکہ مرزا فرحت اللہ نے اپنی مرضی اور خواہش سے لکھا ہے۔

خاکوں کے متعلق مرزا فرحت اللہ کی دوسری تصنیف "دہلی کا ایک یادگار مشاعرہ" قابل ذکر ہےلیکن خاکہ نگاری کے معیار پر پورا نہیں اترا ہے اس تصنیف میں مرزا فرحت اللہ نے بہادر شاہ ظفر کی ایماء پر مولوی کریم الدین کے اہتمام سے دہلی کا جو یادگار مشاعرہ ہوا تھا اسے اپنی قابلیت کے ساتھ خوبصورت طرز نگارش میں تحریر کیا ہے اس تصنیف میں مرزا فرحت اللہ نے مختلف شاعروں کے خاکے بھی تحریر کیے ہیں مرزا فرحت اللہ کی ساری صلاحیتیں محمد آزاد کی تقلید میں شعراء کے حلیے اور لباس کی تفصیلات بیان کرنے میں صرف ہوئی ہے مشاعرے کی ترتیب اور مختلف شعرا کے گھروں کا نقشہ بیان کر کے ماضی کو زندہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے جسے خاکہ نگاری کے دائرے میں نہیں لایا جا سکتا۔ مگر نذیر احمد کی

کہانی لکھ کر مرزا فرحت اللہ یقیناً اردو کیا یک کامیاب خاکہ نگار مانے جاتے ہیں آپ کی خاکہ نگاری اور شخصیت نگاری اپنے عروج پر نظر آتی ہے وہ اپنے خاکوں میں جس کا بھی نقشہ کھینچتے ہیں اس کی خوبیوں' خامیوں' عادات و اطوار' لباس' ناک نقشہ غرض ہر چیز کی تصویر کشی کرتے ہیں. مرزا فرحت اللہ اردو کے ایک ممتاز مزاح نگار تسلیم کیے جاتے ہیں۔۔

مرزا فرحت اللہ کے متعلق عبدالقادر سروری لکھتے ہیں:

''مرزا صاحب کے قلم سے سلاست اور فصاحت کا دامن بہت کم ہی چھوٹنے پاتا ہے۔''

(۳) مولوی عبدالحق

بابائے اردو مولوی عبدالحق کا نام خاکہ نگاروں کی فہرست میں نظر آتا ہے ان کی شخصیت میں بلندی ان کے خاکوں کی وجہ سے ہوئی ہے مولوی عبدالحق کے خاکوں کا مجموعہ چند ہم عصر نو سو سینتیس میں شائع ہوا اس میں تقریباً تمام کھا کے سوانحی اور تاریخی ہیں بس قومی شخصیت کی تھوڑی بہت جھلکیاں مل جاتی ہیں مولوی عبدالحق نے چند ہم عصر میں شخصیتوں کے خاکے ان کی وفات کے بعد تحریر کئے ہیں ان میں مولانا محمد علی جوہر وحیدالدین سلیم اور سید علی بلگرامی سرسید علی محسن الملک وغیرہ کے خاکے خاص طور پر قابل توجہ ہیں مشہور شخصیتوں کے علاوہ ایک خاکہ عام انسان پر "نام دیو مالی" کے نام سے لکھا ہوا ہے. نام دیو ایک عام آدمی ہے جو انسانی خوبیوں کا حامل ہے مولوی عبدالحق کے خاکوں کی خاص خوبی یہ ہے کہ انہوں نیاس میں اپنی ذات کو حائل ہونے نہیں دیا اور دوسری شخصیتوں کو خودنمائی کا ذریعہ نہیں بنایا.

مولوی عبدالحق نے بڑی تعداد میں خاکے لکھے ہیں ان کے یہ خاکے بہت سے لوگوں کی شخصیت کو سمجھنے میں ہماری مدد کرتے ہیں ان کے خاکوں کے مطالعہ سے مولوی عبدالحق کی پسند اور ناپسند کا پتہ چلتا ہے آپ نے بڑے بڑے ادیبوں شاعروں اور اہم شخصیات کے خاکے تحریر کیے ہیں ان کے علاوہ چھوٹے اور عام لوگوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے اس سلسلے میں دو خاکے نام دیو مالی اور گدڑی کا لال نور خان بہت اہم ہیں. چند ہم عصر لکھ کر فن خاکہ نگاری میں ایک بیش بہا اضافہ کیا ہے اس میں ایسے لوگ بھی شامل ہیں جو نہ ادیب و شاعر ہیں اور نہ ہی سیاسی و سماجی اعتبار سے اعلی مقام رکھتے ہیں ان میں کوئی مالی ہے تو کوئی گمنام سا شخص ہے

مختصر یہ کہ "چند ہم عصر" میں ایک سے بڑھ کر ایک خاکے موجود ہیں ان میں سے چند شخصیتوں کے نام اس طرح سے ہیں مولانا الطاف حسین حالی' وحیدالدین سلیم' مولانا محمد علی جوہر مرحوم' نام دیو مالی' شمس العلما مولوی سید بلگرامی' مولوی چراغ علی وغیرہ شامل ہیں .

(۴) آغا حیدر حسن

آغا حیدر حسن کا شمار حیدر آباد کے ممتاز شخصیتوں میں ہوتا ہے۔ اردو میں آپ کے خدمات ناقابل فراموش ہیں خصوصی طور پر دلی کی بیگماتی زبان پر انہیں کمال حاصل تھا آپ نے مختلف اصناف ادب پر طبع آزمائی کی ہے مضامین ''انشائیے' سفرنامے'' کہانیاں، ڈرامے اور خاکہ بھی لکھے ہیں۔ آغا حیدر حسن نے مختلف شخصیتوں پر بہت سے خاکے قلم بند کیے ہیں. مضامین "پس پردہ" میں چند خاکے شامل ہیں۔

یہ مجموعہ 1926ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے شائع ہوا اس کے مرتب عبدالباسط ہیں "پس پردہ" میں سروجنی نائیڈو' سید حسن اور مسٹر حیات اللہ انصاری جیسے معزز اشخاص کے خاکے شامل ہیں. آغا صاحب نے ان خاکوں میں سراپا لکھتے وقت جزئیات نگاری پر خاص توجہ دی ہے اور سیرت اور زندگی کے واقعات کی طرف کم توجہ دی ہے جس کی وجہ سے ان کے خاکوں کو مکمل شخصی خاکے نہیں کہا جا سکتا. ان کا سارا زور بیان بیگماتی زبان کی ٹھاٹ دکھانے میں صرف ہوا ہے۔

آغاحسن نے ان تاریخی وادبی شخصیتوں پر بھی خاکے لکھے ہیں جن سے ان کی ملاقات نہیں ہوئی تھی ان اشخاص کے بارے میں انہوں نے یا تو اپنے بزرگوں سے سنا تھا یا پھر تاریخی کتابوں میں پڑھا تھا ان شخصیات میں ایک اہم نام "مومن خاں مومن" کا ہے جو اردو کے مشہور و معروف شاعر ہیں آغا حیدر حسن مومن سے بہت زیادہ متاثر تھے ان کا حلیہ اس عمدہ انداز میں پیش کیا ہے کہ پتہ چلتا ہے کہ وہ مومن سے مل چکے ہیں مومن خان کے علاوہ جن شخصیات کو موضوع بنایا ان میں "جہاں آرا بیگم 'سرون فرنجن 'روشن اختر فردوس" وغیرہ تاریخی ہستیاں ہیں جن کو انہوں نے دیکھا نہیں ہے لیکن ان شخصیات سے ان کے خاندانی بزرگوں کے گہرے مراسم اور تعلقات تھے آغا حسن کے خاکوں کی ایک خصوصیت ان کا پرلطف اور دلچسپ اسلوب بیان ہے وہ اپنے خاکوں میں غیر جانبداری سے کام لیا ہے۔

آغاحسن ایک کامیاب خاکہ نگار ہیں. ان کی زبان ہی ان کی اصل پہچان تھی انہوں نے خاکوں میں شخصیت کے عادات واطوار اخلاق وآداب پسند ناپسند و وغیرہ پر بھر پور انداز میں روشنی ڈالی ہے آپ ایک کامیاب اور عمدہ خاکہ نگار تسلیم کیے جاتے ہیں۔

(۵) محمد شفیع دہلوی:

پروفیسر خواجہ محمد شفیع دہلوی اردو کے نامور ادیب ہے آپ کو ادبی خدمات کے اعتراف کے طور پر ادیب الملک کا خطاب ملا تھا آپ کی تصنیف "دلّی کا سنبھلا" میں شائع ہوئی اس میں پرانی دلی کی جیتی جاگتی تصویریں کھینچی ہیں. دلی کے اشخاص میں عالم وفاضل جیسی معزز ہستیاں بھی شامل ہیں جن میں رندواوباش 'زاہدو پرہیزگار' شوخ طرار بھی ہیں. دلّی کا سنبھالا یہ کتاب زبان وادب کے لحاظ سے خاکوں کی معیاری کتاب کہلاتی ہے اس کتاب نے اپنے زبان دانی کے جوہر دکھائے ہیں اور اسلوب بیان بھی دلکش ہے. اس کتاب کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں دہلی اور دہلی سے وابستہ شخصیات اور اس سرزمین میں پیدا ہونے والے شاہی اشخاص بھی شامل ہیں. مصنف نے "دلی کا سنبھلا" یہ تصنیف دلی کو نظر کیا ہے اس کی زبان دہلی کی قدیم ٹکسالی زبان ہے جو دلکش اور پرلطف انداز میں لکھی گئی ہے جو قابل تحسین ہیں. الغرض خاکہ نگاری کی روایت کو آگے بڑھانے میں محمد شفیع دہلوی کا نام بھی سرفہرست نظر آتا ہے۔

(۶) بشیر احمد ہاشمی:

خاکہ نگاری کے ارتقاء ایک اہم نام بشیر احمد ہاشمی کا بھی آتا ہے. آپ کی ایک تصنیف " گفت وشنید 1943" ءمیں شائع ہوئی. اس مجموعے کے بیشتر مضامین بھی آل انڈیا ریڈیو لاہور سے نشر کیے جاتے تھے اس میں بعض پیشہ وروں کی عمومی خصوصیات بیان کرنے کی کوشش کی گ ء ہے بیرا' منشی جی' شاعر' ہیڈ ماسٹر' پروفیسر ایڈیٹر حضرات میں جو عادتیں اپنے پیشے کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے ان کی مسخرانہ انداز میں بیان کرنے کے لیے ان کا خاکہ اڑایا ہے البتہ بشیر احمد کی اس کتاب سے خاکہ نگاری میں اضافہ ہوا ہے.

(۷) خواجہ غلام السیدین

خواجہ غلام السیدین کا شمار اردو کے اہم خاکہ نگاروں میں ہوتا ہے " آندھی میں چراغ" خواجہ غلام السیدین کا سترہ مضامین کا مجموعہ ہے جن میں بحرآفریں (مہاتما گاندھی) میر کارواں (مولانا آزاد) دانائے راز (ڈاکٹر اقبال) مرددرویش (خواجہ غلام الثقلین) مرد مجاہد (جواہر لال نہرو) مردمومن (ڈاکٹر ذاکر حسین) شبنم (مجتبی خاتون) شعلہ مستعجل (سیدہ خاتون) جیسے اہم شخصیات شامل ہیں. ان تمام سیرت پر روشنی ڈالی گئی ہے ان میں کچھ مشاہیر شامل ہیں اور کچھ ذاتی دوست عزیز اور بزرگ بھی شامل ہے خواجہ غلام السیدین نے لوگوں کی خوبیوں کو اجاگر کرنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں اور ان کی کمزوریوں کو فعل عبث سمجھتے ہیں آپ کے ہر مضمون میں انشا پردازی کی جھلک نظر آتی ہے. مضامین میں ادبی لطف پیدا کرنے کے لیے جابجا اشعار کا استعمال کیا گیا ہے.

(۸) عبدالرزاق کانپوری

مولوی عبدالرزاق کانپوری نے خاکہ نگاری کی صنف میں جتنا بھی سرمایہ چھوڑا ہے اسے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا آپ نے راس مسعود کی فرمائش پر 17 شخصیتوں کے خاکے لکھے ہیں جن میں آنریبل سرسید احمد خان' شمس العلماء پروفیسر شبلی نعمانی' خاں بہادر سید اکبر حسین الہ آبادی' خاں بہادر منشی ذکاءاللہ' محسن الملک بہادر' مولوی محمد حسین آزاد دہلوی' مولوی نذیر احمد' خواجہ الطاف حسین حالی' مولوی عبدالحلیم شرر' نواب وقار الملک" وحیدالدین سلیم' میر ناصر علی' سید جعفر حسین راس مسعود وغیرہ شامل ہیں.

یہ تمام خاکے یادایام کے عنوان سے 1946ء میں شائع ہویان کے خاکوں میں سوانح نگاری کا رنگ غالب ہے اور اس کے ساتھ شخصیت نگاری کی چند جھلکیاں بھی دکھائی دیتی ہیں.

"یادایام" مصنف کی تصنیف "البرامکہ" سے پہلے قبولیت حاصل کر چکی تھی آپ ان ادیبوں میں سے ہیں جو سوانح نگاری کا صحیح حق ادا کیا ہے اور اپنے ذاتی مشاہدات کو پیش کر کیا اس تصنیف کی اہمیت کو اور بڑھایا ہے اس میں ہندوستان کے مختلف اشخاص کا ذکر ہیں جن میں شاعر ادیب اور سیاسی لیڈران بھی شامل ہیں واقعات کا زیادہ تر پہلو ذاتی مشاہدات پر مبنی ہیں انداز بیان شگفتہ اور متین ہے. سنجیدگی و شگفتہ اور لطافت کی وجہ سے ان کے مضامین دلچسپ اور پر لطف ہیں۔

(۹) عبدالماجد دریابادی :

خاکہ نگاری کے میدان میں ایک اہم نام عبدالماجد دریا آبادی کا بھی لیا جاتا ہیآپ اردو کے ایک اہم خاکہ نگار ہیں آپ کے تخلیقی کارناموں میں "محمد علی' و" دیدوشنید" جیسی تصانیف خاکہ نگاری کے میدان میں منفرد کارنامے ہیں. جن میں اردو ادب کے مشہور شخصیتوں میں مہدی افادی' اکبرالہ آبادی' شبلی نعمانی وغیرہ قابل ذکر ہیں آپ کا منفرد کارنامہ "محمد علی" 1956 میں شائع ہوا اس

اس میں شخصی خاکے کی تمام خصوصیات پائی جاتی ہے بعض نقادوں نے اس سے طویل خاکہ قرار دیا ہے طوالت کی وجہ سے اس میں تاثر کی وحدت کم ہوگئی ہے. مولانا کے ساتھ کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"سینما بھی دیکھتے ہیں لیکن خط نفس کے لیے نہیں شیطان کی ترقیاں دیکھنے کے لیے. لندن اور امریکہ کے نسوانی رسالے خیاطی کے میگزین آرٹسٹوں اور فنکاروں کے صحائف دیکھتے ہیں. اور بغیر دیکھتے ہیں لیکن صرف اس لئے کہ معلوم کریں. دخترانِ مغرب کا اخلاقی زوال کس حد عروج تک پہنچ چکا ہے"

(دیدوشنید ص 147)

(۱۰) رشید احمد صدیقی:

خاکہ نگاری کے حوالے سے ایک اہم نام رشید احمد صدیقی کا بھی اہمیت رکھتا ہے آپ نے خاکے کے فن میں استواری بخشی ہے آپ کا شمار اردو کے اہم مزاح نگاروں میں ہوتا ہے شخصی خاکوں کے مجموعے " گنج ہائے گراں مایہ "" ہم نفسانِ رفتہ "اور "خنداں" کافی مشہور ہیں آپ کا ایک طویل خاکہ 'ذاکر صاحب' 1962ء میں کتابی صورت میں شائع ہوا ہے اس کے علاوہ " آشفتہ بیانی میری' شیخ نیازی اور مضامین رشید "میں بھی خاکہ نگاری کے نمونے مل جاتے ہیں رشید احمد صدیقی صاحبِ طرز نثر نگار ہیں۔

آپ کے خاکوں کے مجموعوں میں " گنج ہائے گراں مایہ " قابل قدر تصنیف ہے اس میں مولانا سلیمان اشرف 'مولانا ابوبکر' اصغر گونڈوی 'ایوب عباسی' سید نصر الدین 'وغیرہ کے خاکے ہر لحاظ سے معیاری ہیں. مضامین رشید کے بعض مضامین بھی خاکہ نگاری کی صنف پر پورے اترتے ہیں جن میں حاجی صاحب 'مولانا سہیل اور ماتا بدل وغیرہ شامل ہی۔

"مضامین رشید اردو کی عظیم نثری تخلیق ہے جس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

"ہم نفسان رفتہ "رشید احمد صدیقی کے شخصی مضامین کا دوسرا مجموعہ ہے اس مجموعے میں شفیق الرحمٰن کی قدوائی 'سید سلیمان ندوی 'ڈاکٹر عبدالحق وغیرہ جیسے عمدہ خاکے شامل ہیں ان کے علاوہ باقی مضامین تعارفی اور واقعاتی نوعیت کے ہیں۔

رشید احمد صدیقی کا شاہکار خاکہ ایوب عباسی کو بہترین خاکوں میں شمار کیا جاتا ہے تقریبا تمام ادیبوں نے اس کی تعریف کی ہے.

فن خاکہ نگاری میں رشید احمد کی کامی؟بی کا راز شخصیتوں کا انتخاب ہے. اان کے خاکوں میں طنز و مزاح کی ایک لطیف کیفیت نظر آتی ہے آپ اردو ادب کے ایک مایہ ناز مزاح نگار کہلاتے ہیں.

(۱۱) عصمت چغتائی :

عصمت چغتائی ہندوستان کی ایک مشہور اردو مصنفہ ہے جنہوں نے اردو ادب میں افسانہ نگاری اور ناول نگاری میں اپنا نام روشن کیا ہیار دو کی مقبول صنف خاکہ نگاری کو منفرد انداز اور منفرد لب لہجے سے نوازانے کی کوشش کی آپ کا خاکہ "دوزخی" دور اول کے بہترین

خاکوں میں شمار ہوتا ہے عصمت کا یہ پہلا خاکہ آزادی سے پہلے جون 1942ء میں شائع ہوا عصمت نے اپنے بڑے بھائی عظیم بیگ چغتائی جو ایک بلند پایہ ادیب تھیان کے متعلق یہ خاکہ لکھا ہے دوزخی میں اپنے بڑے بھائی کی مکمل اور جامع تصویر کھینچی ہیا پنے بھائی کی برائیوں کو مبالغہ اور مضحکہ خیز انداز میں پیش کرنے کیا ہیاور جسمانی اور ظاہری کمزوریوں' ذہنی ونفسیاتی پیچیدگیوں' اخلاقی ومعاشرتی رویہ مذہبی رسم ورواج' لاپرواہی اور باغیانہ انداز کو بڑی صداقت اور ہمدردی کے ساتھ پیش کیا ہے دوزخی یہ خاک اردو کے منفرد خاکوں میں شمار ہوتا ہے عصمت اپنے خیالات اور تاثرات کا اظہار بڑی بے باکی سے کیا ہے عصمت کے دوسرے خاکوں میں منٹو کی شخصیت پر لکھا ہوا کا "میرا دوست میرا دشمن" اہمیت کا حامل ہے یہ خاکہ منٹو کی شخصیت وفن کا ایک خوبصورت جائزہ ہے ایک اردو کے مشہور شاعر اسرارالحق مجاز کی شخصیت پر "عشق مجازی" کے عنوان سے ایک خاکہ تحریر کیا ہے یہ خاکہ فنی اعتبار سے دیگر خاکوں سے کم تر ہے اس میں مجاز کی سیرت اور شاعری کی ہلکی پھلکی جھلکیاں نظر آتی ہیں ظاہری صورت اور نفسیاتی کشمکش کی کامیاب کوشش کی گئی ہے.

خلاصہ کلام یہ ہے کہ عصمت نیبہت کم خاکے لکھے ہیں مگر فنی اور موضوعاتی سطح پر اردو ادب میں خاکہ نگاری کو پروان چڑھایا ہے اس میں سعادت حسن منٹو' اسرارالحق مجاز' پطرس بخاری' عظیم بیگ چغتائی' خواجہ احمد عباس اور جانثار اختر جیسے اردو کے اہم شخصیات پر خاکے لکھ کر اردو ادب میں فن خاکہ نگاری میں اضافہ کیا ہے۔

(۱۲) سعادت حسن منٹو

خاکہ نگاری کی روایت کو آگے بڑھانے میں ایک اہم نام سعادت حسن منٹو کا بھی آتا ہے منٹو کا شمار اردو کے چند بڑے اہم افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے منٹو نے خاکہ نگاری میں طبع آزمائی کر کے ایک منفرد مقام حاصل کیا ہے منٹو کے تین شخصی خاکوں کے مجموعے " گنجے فرشتے" 1952ء میں "لاؤڈ اسپیکر" 1955ء میں اور قلمی شخصیتیں 1956ء میں شائع ہو کر منظر عام پر آئے منٹو نے خاکے کو انشائیے کی حدود سے باہر نکال کر افسانے کے قریب پہنچا دیا ہے منٹو نے ادبی' فلمی اور سیاسی دنیا کے مشہور شخصیتوں کو موضوع بنایا اور ایک نئے زاویے سے ان اشخاص کی تصویریں کھینچی ہیں۔

منٹو کی تصنیف " گنجے فرشتے" میں کل بارہ خاکے ہیں اس تصنیف میں پہلا خاکہ "میرا صاحب" کے عنوان سے قائداعظم کے بارے میں ہے قائداعظم سے منٹو کے براہ راست تعلقات نہیں تھے قائداعظم کے ڈرائیور محمد حنیف آزاد کے بیان کئے ہوئے واقعات وتاثرات پر مشتمل ہے اس لیے اس خاکہ میں مداحی زیادہ نظر آتی ہے اس کے علاوہ اس مجموعے میں آغا حشر سے دو ملاقاتیں' تین گولے، باری صاحب" عصمت چغتائی' اشوک کمار' نرگس وغیرہ مشہور خاکے ہیں ان میں عصمت چغتائی پر کا لکھا ہوا قابل ذکر ہے۔

"لاؤڈ اسپیکر" میں کل دس خاکے شامل ہیں جن میں دیوان سنگھ مفتون' نور جہاں' نواب کاشمیری' چراغ حسن حسرت' انور کمال پاشا وغیرہ قابل ذکر ہیں لاؤڈ اسپیکر کے خاکوں کے مطالعے سے یہ اندازہ ہوتا ہے اس میں منٹو نے اچھائیوں کی بجائے برائیاں اچھالی ہے۔

"فلم اور منٹو اور فلمی شخصیتیں" یہ منٹو کا تیسرا خاکوں کا مجموعہ ہے منٹو نے اس میں میں فلمی شخصیتوں کو موضوع بنایا ہے اور فلمی دنیا کی حقیقتوں کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے منٹو کے خاکوں کی اہم خصوصیت ان کا جرات مندانہ اسلوب ہے منٹو زندہ اور مرحوم دونوں طرح کی شخصیات پر خاکے تحریر کیے ہیں سیاسی 'مذہبی' علمی اور ادبی شخصیات پر عرصہ دراز سے کسی نہ کسی شکل میں طبع آزمائی کی ہے.

(۱۳) اشرف صبوحی

اشرف صبوحی کا شمار مخصوص دہلوی تہذیب وثقافت کے نمائندوں میں ہوتا ہیآپ نید ہلی کے چند ایسے مرحوم کرداروں کو اپنے خاکوں کا موضوع بنایا جو تاریخی شہر دلی کی تہذیبی یادگار اور تمدنی علامت تھے لیکن ان میں کچھ معمولی اشخاص بھی شامل ہے "دلی کی چند عجیب ہستیاں" ان کے خاکوں کا پہلا مجموعہ ہے یہ 1943ء میں شائع ہوا یہ مجموعہ پندرہ خاکوں پر مشتمل ہے خواجہ انیس 'میر باقر علی' 'میٹھو بھٹیارہ' نلن نائی' گنجے نہاری والے 'نیازی خانم' وغیرہ بظاہر معمولی اشخاص ہیں لیکن وضع داری شائستگی 'ہنرمندی اور خوبیاں اور خامیاں ان کے ایسے اوصاف ہیں جس کی وجہ سے انہیں ایک منفرد شخصیت دے دی گئی ہے

اشرف صوبی کا دوسرا مجموعہ "غبار کارواں" ہے اس مجموعے میں انگریزوں کی زوال کا زمانہ نظر آتا ہے اور ایسے اشخاص کو موضوع بنایا گیا ہے جن سے مصنف کو عقیدت تھی اور جانے پہچانے تھے ان کیا طوار وضع داری بود وہ باش انداز گفتگو وغیرہ کو پیش کیا ہے. اشرف صبوحی کے خاکے زبان اور اسلوب کے لحاظ سے خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

(۱۴) دیوان سنگھ مفتون

دیوان سنگھ مفتون دراصل ایک مشہور صحافی ہیں 1943 کے دوران جیل کے اندر رہ کر ایک خودنوشت سوانح عمری لکھنا شروع کیا تھا جس کا عنوان "ناقابل فراموش" ہے یہ کتاب خاکہ نگاری کے مقصد سے نہیں لکھی تھی اس کے باوجود میں مختلف شخصیتوں کے خاکے ملتے ہیں دیوان سنگھ نے ان خاکوں شخصیتوں کو جیسا دیکھا تھا ویسا ہی پیش کرنے کی کوشش ہے. یہ خاکے کافی دلچسپ ہیں ان خاکوں کو دیکھ کر دیوان سنگھ کی قوت مشاہدہ اور حافظہ تھا اندازہ ہوتا ہے اس کتاب کے مضامین روزنامہ ریاست میں قسط وار شائع ہوا کرتے تھے بعد میں کتابی شکل میں شائع ہو کر شہرت حاصل کی اس تصنیف میں نہایت دلچسپ' حقیقی اور موضوعکی مناسبت سے ناقابل فراموش واقعات درج ہیں۔

(۱۵) شوکت تھانوی

شوکت تھانوی ایک بہترین صحافی 'ناول نگار' ڈرامہ نگار' افسانہ نگار' مزاح نگار' ادیب اور شاعر تھے ادب کی ہر صنف میں طبع آزمائی کی ہے اور بہت سے قلمی چہرے پہ بھی تحریر کیے ہیں جو ان کے مجموعے "شیش محل" اور "قاعدہ بے قاعدہ" میں شامل ہیں ان

تصانیف میں چند مضامین ایسے بھی ملتے ہیں جو مکمل شخصی خاکے کہے جا سکتے ہیں شوکت تھانوی کی خاکہ نگاری میں مزاح نگار کا عنصر پایا جاتا ہے ان کا مقصد ہی لوگوں کو ہنسانا تھا شخصیتوں کے حرکات وسکنات طرز گفتگو اور زندگی کے واقعات کو مضحکہ خیز انداز میں بیان کیا ہے ان کے خاکوں میں سب سے نمایاں خصوصیت کا مزاحیہ اسلوب ہے آغا حشر 'اختر شیرانی 'اصغر گونڈوی 'اقبال بہزاد لکھنوی 'پریم چند 'پطرس' جاں نثار اختر' جگر مرادآبادی 'حسرت موہانی 'حفیظ جالندھری 'ن م راشد 'رام بابو سکسینہ 'امتیاز علی تاج وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

شوکت تھانوی نے جن شاعروں اور ادیبوں کے خاکے پیش کیے ہیں وہ ان سے کسی نہ کسی صورت میں مل چکے ہیں ایسے اشخاص کا ذکر کم ہی کیا ہے جن سے وہ مل بھی نہیں سکتے آپ کے تمام خاکے تعارفی ہیں اور تمام شخصیات کا تعلق ادب سے ہے ان میں کچھ مشہور شخصیتیں ہیں اور کچھ گمنام شخصیتیں بھی ہیں ان میں مسلمان بھی ہیں اور غیر مسلم بھی ہیں الغرض شوکت تھانوی کے تمام خاکے دلچسپ اور دلکش ہیں۔

(۱۶) مالک رام

مالک رام کا شمار اردو کے مشہور محقق اور نقاد میں ہوتا ہے آپ کو غالبیات کے ماہر کے نام سے جانے جاتے ہیں آپ کیدو سو سے زیادہ مقالے اور مضامین اردو زبان میں ادبی رسالوں اور جریدوں میں شائع ہوئے ہیں اردو میں چند بہترین خاکے بھی پیش کیے ہیں جن میں مرزا غالب اور نواب صدر یار جنگ قابل ذکر ہیں اس کے علاوہ نواب سائل دہلوی 'سید سلیمان ندوی 'برج موہن دتاتریہ' کیفی وغیرہ خاکے بھی مشہور ہیں۔

مرزا غالب پر لکھا ہوا خاکہ پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے علم پر لکھی ہوئی تمام تحریروں کا مطالعہ کیا ہے اور ان کے خاندان کے بزرگوں سے معلومات حاصل کی ہے غالب کی زندگی کا خاکہ غالب کی شخصیت پر تحریر کیے ہوئے خاکے سے معلوم ہوتا ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ برسوں سے غالب کے ساتھ رہ چکے ہیں اس انداز سیان کی شب وروز اور وظائف کا آنکھوں دیکھا حال بیان کیا ہے آپ نے شخصی خاکہ نگاری میں ایک نیا اور تجربہ پیش کیا ہے۔

مالک رام کی دو تصانیف "تذکرہ معاصرین" اور "وہ صورتیں الٰہی" خاکہ نگاری کی صنف میں قابل ذکر ہیں "تذکرہ معاصرین" تین جلدوں میں شائع ہوئی ہے جن میں کئی مرحوم ادیبوں کے حالات بیان کئے ہیں دراصل یہ سوانح مضامین ہیں ان ادیبوں کے تفصیلی حالات اور کلام کا نمونہ پیش کیا گیا ہے دوسری تصنیف "وہ صورت الٰہی" میں ایسے مضامین شامل ہیں جو خاکوں کے انداز میں لکھے گئے ہیں جن میں غالب 'سائل دہلوی 'صدر یار جنگ یگانہ چنگیزی لکھنوی 'جگر مرادآبادی 'وغیرہ شامل ہیں۔

(۱۷) عبدالمجید سالک

عبدالمجید سالک اردو کے مشہور صحافی 'افسانہ نگار' کالم نگار ہیں ان کیبیس خاکوں کا مجموعہ "یاران کہن" کے نام سے 1973 میں

شائع ہوا. ان کے تمام خاکے تاثرات اور یادداشت پر مبنی ہیں. ایسا محسوس ہوتا ہے ان کا مقصد صرف چند دلچسپ واقعات بیان کرنے کے علاوہ کچھ نہیں تھا ہر شخصیت میں کسی ایک وصف کی جھلک دکھائی دیتی ہے

"یاران کہن" میں مولانا محمد علی' مولانا شوکت علی' علامہ اقبال' مولانا ابوالکلام آزاد' مولانا ظفر علی' آغا حشر کاشمیری' خواجہ حسن نظامی وغیرہ اشخاص کیخا کے شامل ہیں

عبدالمجید سالک خود لکھتے ہیں:

"اس تذکرے میں ان بزرگوں کے سوانح حیات لکھنا یا ان کی تصانیف پر تبصرہ کرنا مقصود نہیں صرف ان کی شخصیتوں کی ہلکی سی جھلک دکھانا منظور ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ میں اس مقصد میں ناکام نہیں رہا"

مندرجہ بالا بات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عبدالمجید سالک نے ہر شخصیت کی صرف ہلکی پھلکی جھلک دکھائی ہے۔

(۱۸) اعجاز حسن

ڈاکٹر اعجاز حسین کے خاکوں کا مجموعہ "ملک ادب کے شہزادے" کے عنوان سے 1956ء میں شائع ہوا ہے اس میں چوبیس شاعروں کے مختصر خاکے شامل ہیں ان کے خاکوں میں خاکہ نگاری کے تمام لوازمات موجود ہیں شاعروں اور ادیبوں کی صورت وسیرت 'حرکات وسکنات سے ان کی شخصیت کے پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے اس تصنیف میں جن اشخاص کا ذکر کیا گیا ہے ان کے چند نام یہ ہیں: جعفر علی خان' احسان دانش' اصغر گونڈوی' جگن ناتھ آزاد' علی سردار جعفری' فراق گورکھپوری' کیفی اعظمی وغیرہ . ڈاکٹر اعجاز حسین دراصل ایک نقاد تھے لیکن ان کی شہرت کی وجہ سوانح نگاری ہے۔

(۱۹) محمد طفیل

شخصی خاکہ نگاری میں ایک اہم نام محمد طفیل کا بھی لیا جاتا ہے جنہوں نے اس تصنیف کو آگے بڑھانے میں قابل قدر کام کیا ہے ایک اچھے خاکہ نگار کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں ان کے پانچ خاکوں کے مجموعے شائع ہو چکے ہیں "صاحب جناب' آپ' محترم' مکرم" محمد طفیل خاکہ نگاری کے فنی لوازم سے بخوبی واقف تھے آپ نے صرف چہرہ نمائی نہیں کی ہے بلکہ نفسیات کا بھی گہرائی سے مطالعہ کیا ہے خود خاکہ لکھنے کے ساتھ ساتھ دوسرے ادیبوں کو بھی خاکہ نگاری پر متوجہ کیا خاکہ نگاری کے فروغ کے مقصد کے لیے ایک ادبی ماہنامہ "نقوش" کے دو شخصیات نمبر 1955ء میں شائع کیے "نقوش" محمد طفیل کی زیر ادارت اردو زبان میں شائع ہونے والا ایک مشہور ادبی جریدہ تھا جس نے شخصیات نمبروں کی وجہ سے خاصی شہرت حاصل کی اس ادبی جریدے میں تقریبا ایک سو چھیاسی ادیبوں اور شاعروں کے خاکے اور سوانحی مضامین شامل ہیں۔

(۲۰) شاہداحمد دہلوی

شاہداحمد دہلوی کا شمار دورجدید کے خاکہ نگاری میں ہے ان کے خاکوں کا مجموعہ " گنجینہ گوہر "1962ء ۔میں شائع ہوا ہے اس میں سترہ خاکے شامل ہیں چہرہ نویسی ان کا خاص خوبی ہے ان کی خاکوں کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ بہت ہی کم الفاظ میں اپنی بات کو بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس تصنیف میں اردو ادب کی مشہور شخصیتوں پر خاکے تحریر کیے گئے ہیں جن میں خواجہ حسن نظامی 'مولوی نذیراحمد دہلوی 'میراجی 'منٹو 'مرزا عظیم بیگ چغتائی 'جگرمرادآبادی 'جمیل جالبی 'وغیرہ جیسی عظیم اور بلند شخصیات شامل ہیں

شاہدصاحب کے خاکوں کی مقبولیت اور دلکشی کا سبب ان کا انداز بیان اور طرز ادا ہے آپ منفرد لب و لہجے کے مالک ہیں آپ کا اپنا طرز بیان ہے ان کی زبان ٹکسالی اور بامحاورہ ہے واقعات کو اس انداز سے ترتیب دیا ہے کہ قاری کے ذہن پر دیر تک اثر کرتے ہیں. شاہداحمد دہلوی کا شمار اچھے کامیاب خاکہ نگاروں میں ہوتا ہے.۔

(۲۱) علی جوادزیدی

دورجدید کے خاکہ نگاروں میں علی جوادزیدی کا بھی شمار ہوتا ہے ان کے خاکوں کا مجموعہ " آپ سے ملیے 1968"ء میں شائع ہوا یہ تعارفی مضامین کا مجموعہ ہے ان میں علما 'مفسرین 'رندان 'افسانہ نویس 'شاعر 'محقق 'ناقد 'فلسفی 'صحافی 'مفسر 'طنزومزاح نگار سبھی شامل ہیں ان تمام کے حالات زندگی ایک دوسرے سے مختلف ہیں پھر بھی ان میں بہت سی خوبیاں مشترک ہیں اور کچھ عام انسانی کمزوریاں بھی ہیں علی جواد نے جن شخصیتوں پر خاکے تحریر کیے ہیں ان میں سے چند کے نام یہ ہیں.

" بھگوتی چرن ورما 'علی عباس حسینی 'جوش ملیح آبادی 'آنندنارائن ملا 'جگرمرادآبادی 'اثرلکھنوی 'انیس احمد عباس وغیرہ شامل ہیں.

علی جواد نے نیکیوں کا تذکرہ بڑی بے باکی سے کیا ہے اور برائیوں کا اظہار کفایت شعاری سے کیا ہے وہ ہر برائی کو معاف کر کے ان سے خلوص ومحبت کے قائل نظر آتے ہیں ان کی نظر برائیوں سے زیادہ اچھائیوں کی طرف مائل ہے اور ہر شخصیت کا تفصیل سے جائزہ لیا ہے اور ان کیعلمی وادبی کارناموں پر بھی نظر ڈالی ہے. ان کے خاکے تکنیکی لحاظ سے مکمل ہیں لیکن اسلوب اور واقعات کی ترتیب اور اشخاص کیجمالیاتی اوصاف کی وجہ سے کچھ کمزوریاں نظر آتی ہیں۔

(۲۲) عبدالاحدخان بھوپالی

عبدالاحد بھوپالی کا شمار خاکہ نگاری میں مزاح نگاری کی حیثیت سے لیا جاتا ہے دورجدید کے خاکہ نگاروں میں آپ کا نام قابل ذکر ہیا یک شائستہ مزاح نگار کی حیثیت سے ادب نے اپنا ایک منفرد مقام بنالیا ہے آپ نے شخصی خاکے تحریر کیے ہیں اکیس طنزیہ مزاحیہ خاکوں کا مجموعہ "پوسٹ ماٹم" کے عنوان سے شائع ہوا ہے اس میں ادبی دنیا کے نمائندہ کردار بھوپال کے عظیم رہنما اور مختلف سماجی کرداروں

کوموضوع بنایا گیا ہے جن میں کنہیالال کپور' جلالودین قریشی' شاکرعلی خاں' مجتبیٰ خان' کیف بھوپالی' جلال الدین وغیرہ شامل ہیں۔
غرض یہ کہ پوسٹ مارٹم کی شخصیتوں میں زیادہ تر ہمارے عہد کے مختلف سماجی کردار شامل ہیں عبداللہ خان نے اپنے تجربات اور مشاہدات کے بناپر سماج کے مختلف پہلوؤں کو قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔

(۲۳) معین الدین درانی

معین الدین دردانی کا شمار دور جدید کے خاکہ نگاروں میں ہوتا ہے مختصر خاکوں کا مجموعہ "جلوے" کے نام سے انجمن فروغ اردو نے شائع کیا ان کی خاکہ نگاری میں شخصیتوں کی خوبیاں اور کمزوریوں کو بیان کرنے کے بجائے نکتہ چینی کی طرف خاص توجہ دی گئی ہے اس مجموعے میں وہ خوبیاں موجود نہیں ہے جو ایک خاکہ نگاری کے وقار کو بڑھاتی ہیں چند کمزوریوں کی وجہ سے آپ کا شمار اچھے خاکہ نگاروں میں نہیں ہوسکا۔

(۲۴) الطاف حسین قریشی

الطاف حسین قریشی کا شمار دور جدید کے خاکہ نگاروں میں ہوتا ہے ان کی تصنیف "ملاقاتیں" ملک کے سولہ عظیم شخصیتوں سے ملاقات کی روداد پر مبنی ہے۔ یہ تصنیف 1963ء ؁ میں شائع ہوکر منظر عام پر آئی۔ ان اشخاص کے متعلق مصنف نے تصنیف کے ابتدا میں لکھا ہے:

"ملک کی عظیم سولہ شخصیتوں سے ملاقاتوں کی روداد جس میں زندگی کے نشیب و فراز بھی ہیں اور مسائل کے پیچ و خم بھی جسے پڑھ کر فکر و خیال میں گہرائی اور گیرائی پیدا ہوتی ہے۔"

اس تصنیف میں ایسے اشخاص کے خاکے شامل ہیں جنہیں ملاقات کے لیے منتخب کیا گیا وہ معاشرتی زندگی کے اہم شعبوں سے تعلق رکھتے ہیں جن میں صحافی' ادیب' فلسفی' معلم' حکیم' وکیل' عالم دین' سیاست داں' قانون ساز' ماہرین نے اقتصادیات عدلیہ و انظامیہ کیا علی رکن اور سفیر شامل ہیں اور ان میں ہر ایک فرد اپنے اپنے میدان میں اور شعبہ زندگی میں ایک اہم مقام اور مرتبہ حاصل کیا ہے۔ ان خاکوں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ ہمیں اپنے دور کی بہت سی نمایاں شخصیت و سے روشناس کراتے ہیں۔ الطاف حسین قریشی نے جن اشخاص کی روداد بیان کی ہے ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

مولانا سید ابوالاعلی مودودی' میاں بشیر احمد' پروفیسر احمد خان' جسٹس ایس-اے-رحمان' مولانا صلاح الدین احمد' حکیم نیر واسطی وغیرہ شامل ہیں۔

(۲۵) نریش کمار شاد

نریش کمار شاد ایک اچھے شاعر اور نثر نگار بھی تھے ان کی تصنیف "جان پہچان" ہے. یہ تصنیف اردو کے بارہ مشہور افسانہ نگاروں کے انٹرویو پر مبنی ہے اس میں ان ادیبوں سے اپنی جان پہچان کا حال بیان کیا ہے اور ان کی حالات زندگی ادب' فن کے متعلق اہم واقعات کا بیان ہے جن میں کرشن چند' راجندر سنگھ' بیدی او پندر ناتھ اشک خواجہ احمد عباس' بلونت سنگھ' علی عباس حسینی' ابراہیم جلیس' پرکاش پنڈت' رضیہ سجاد ظہیر' واجدہ تبسم' سعادت حسن منٹو' منشی پریم چند' جیسے شاہکار ادیب شامل ہیں

خاکہ نگاری کا آغاز و ارتقا میں جن خاکہ نگاروں پر تبصرہ کیا گیا ہے وہ ایسے ادیب ہے جنہوں نے اس صنف کی طرف خاص توجہ دی ہے اور خاکہ نگاری کو فروغ دینے میں اہم رول ادا کیا ہے ان کے علاوہ اور بھی ادیوں نے خاکہ نگاری میں اپنا مقام بنانے کی کوشش کی ہے جن میں چراغ حسن حسرت' تمکین کاظمی' غلام احمد فرقت کاکوری' رئیس احمد جعفری' ضیا احمد برنی' عبدالسلام خورشید' حافظ لدھیانوی وغیرہ کے خاکوں کے مجموعے منظر عام پر آچکے ہیں۔

علاوہ ازیں ادبی رسائل و جرائد میں مختلف شخصیتوں کے نمبر شائع ہوتے رہتے ہیں ان ادیبوں' شاعروں' سماجی رہنماوں اور مخصوص اشخاص پر خاکے تحریر کیے جاتے ہیں. الغرض خاکہ نگاری کی صنف اردو ادب میں ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔

1.3 خود آموزی کے لیے سوالات

سوال نمبر 1 :۔ خالی جگہ پر کیجیے۔

(۱) محمد حسین آزاد نے ۔۔۔۔۔۔ کی ایماء پر چند انشائیے لکھے ہیں جن میں خاکے کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔

جواب : کرنل ہالرائڈ

(۲) مرزا فرحت اللہ بیگ کا خاکہ ۔۔۔۔۔۔ اردو کا پہلا کامیاب اور مکمل خاکہ تسلیم کیا جاتا ہے۔

جواب : نذیر احمد کی کہانی کچھ میری کچھ ان کی زبانی

(۳) "پس پردہ" ۔۔۔۔۔۔ کے خاکوں کا مجموعہ ہے۔

جواب : آغا حیدر حسن

(۴) "آندھی میں چراغ" خواجہ غلام السیدین کے ۔۔۔۔۔۔ مضامین کا مجموعہ ہے۔

جواب : سترہ

(۵) "ہم نفسان رفتہ' گنج ہائے گراں مایہ اور خنداں" ۔۔۔۔۔۔ کے خاکوں کے مجموعے ہیں۔

جواب : رشید احمد صدیقی

(۶) عصمت چغتائی سنے "دوزخی" اس خاکے میں اپنے ۔۔۔۔۔۔ کی جامع تصویر کھینچی ہے۔

جواب : بڑے بھائی

(۷) ۔۔۔۔۔۔ غالبیات کے ماہر کے نام سے جانے جاتے ہیں اورانہوں نے غالب پر ایک خاک بھی لکھا ہے۔

جواب : مالک رام

(۸) سعادت حسن منٹو کے خاکوں کے مجموعے کا نام ۔۔۔۔۔۔ ہے۔

جواب : گنجے

(۹) ساشرف صبوحی نے ۔۔۔۔۔۔ شہر کے چند مرحوم کرداروں کو اپنے خاکوں کا موضوع بنایا ہے

جواب : دلی

(۱۰) محمد طفیل نے فن خاکہ نگاری کے فروغ کے مقصد کے لیے ادبی ماہنام ۔۔۔۔۔۔ میں دو شخصیات نمبر شائع کیے۔

جواب : نقوش

سوال نمبر 2 :۔ مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات مختصراً دیجیے۔

(۱) محمد حسین آزاد نے کن مشہور شعرا کا ذکر اپنے تذکرے میں کیا ہے؟

(۲) محمد حسین آزاد کی تصنیف " آب حیات " پر مختصر روشنی ڈالیے.

(۳) عبدالماجد دریابادی کا خاکہ نگاری میں کیا مقام ہے تحریر کیجیے.

(۴) دیوان سنگھ مفتون کی خودنوشت سوانح "ناقابل فراموش" کا اجمالی جائزہ تحریر کیجیے.

(۵) محمد طفیل کے خاکوں کے مجموعے کے نام تحریر کیجیے۔

1.4 خلاصہ

خاکہ شخصیت کو متعارف کرنے کا نام خاکہ ہے۔ جو ہمیں ان لوگوں سے آشناس کراتی ہے جنھیں ہم نہیں جانتے مگر ان کے متعلق جاننا چاہیے۔ خاکہ صرف گنے چنے واقعات کے تحت تحریر نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کے لیے مذکورہ شخصیت سے ملاقات ضروری ہے۔ خاکہ اور سوانح میں واضح فرق ہوتا ہے سوانح نگار مذکورہ شخصیت سے متعلق ہر واقع کی تفصیل میں چلا جاتا ہے۔ اور شخصیت کے ہر پہلو کا احاطہ کرتا ہے جبکہ خاکہ نگار شخصیت کے متعلق چند ضروری پہلوؤں کو بیان کرتا ہے۔

دیگر ادبی اصناف کی طرح خاکہ کے بھی فن لوازمات مقرر کئے گئے ہیں۔ جن کی پابندی کرنا اور اصول وضوابط بھی مرتب کئے گئے ہیں۔ عام طور پر خاکہ کے فن میں اختصار، وحدت، تاثر، کردار نگاری، واقع نگاری، منظر کشی، اور زبان و بیان کو اہم اجزاء قرار دیا گیا ہے۔ اردو میں خاکہ نگاری کے ابتدائی نقوش شعرائے اردو کے تذکروں میں ملتے ہیں۔ محمد حسین

آزاد کی کتاب ''آب حیات'' بھی مختلف شخصیات سے متعارف کرواتی ہے۔ لیکن اس کی باقاعدہ ابتداء مرزا فرحت اللہ بیگ کے خاکے نظیر احمد کی کہانی کچھ میری کچھ ان کی زبانی سے ہوتی ہے۔اس کے بعد ۱۹۵۰ء میں مولوی عبدالحق کے خاکوں کا مجموعہ چند ہم عصر منظر عام پر آیا۔رشید احمد صدیقی کے خاکوں کے مجموعے ہم نفسانِ رفتہ اور گنج پائے گراں مایہ نے اس ارتقائی سفر کو آگے بڑھایا اس کے بعد رئیس احمد جعفری کا مجموعہ دید وشنید منظر عام پر آیا۔ ۱۹۵۲ء میں سعادت حسن منٹو گنجے فرشتے کے نام خاکوں کا مجموعہ شائع کرایا۔ ۱۹۵۵ء میں عبدالماجد سالک کے خاکوں کا مجموعہ یاران کہن شائع ہوا۔

نقوش کے مدیر محمد عقیل کی بھی کئی خاکوں کے مجموعے ہیں۔جن میں ناخن کا قرض ۱۹۶۳ء اشرف صبوحی، مرزا ادیب کے خاکوں کا مجموعہ ''دہلی کے چند عجیب ہستیاں'' اور ۱۹۶۸ء میں ممتاز مفتی کے خاکوں کا مجموعہ پیاز کے چھلکے نے اردو خاکہ نگاری کے سرمایہ میں اضافہ کیا۔ اس کے علاوہ کئی خاکہ نگاری اور ان کے خاکوں کے مجموعے کی اہمیت کے حامل ہے۔ ان خاکہ نگاروں میں مالک رام،عبدالماجد سالک، الطاف حسین قریشی،نواب جاد، جواز زیدی،اور نریش کمار شاد وغیرہ کے نام قابل قبول ہیں۔

1.5 مشقی سوالات

سوال نمبر1 :۔ مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات مختصراً تحریر کیجیے۔

(۱) اردو میں خاکہ نگاری صنف پر اظہار خیال کیجیے؟

(۲) اردو میں خاکہ نگاری کا آغاز کس طرح ہوا؟

(۳) دور جدید کے خاکہ نگاروں کے نام بتا کر ان کا مقام متعین کیجیے؟

سوال نمبر2 :۔ مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات مفصل تحریر کیجیے۔

(۱) اردو میں خاکہ نگاری کے اولین نقوش پر روشنی ڈالیے؟

(۲) اردو میں باقاعدہ خاکہ نگاری کا آغاز کب اور کیسے ہوا اس پر مفصل تبصرہ کیجئے۔

(۳) دور جدید کے خاکہ نگاروں پر روشنی ڈالیے؟

(۴) مرزا فرحت اللہ بیگ کی خاکہ نگاری پر تبصرہ کیجیے؟

(۵) خاکہ نگاری کا تعارف بیان کرتے ہوئے خاکہ نگاری کے آغاز اور ارتقاء پر روشنی ڈالیے؟

1.6 الفاظ ومعنی

الفاظ	معنی
مدحیہ	قابل تعریف
تامل	سوچ ،فکر، اندیشہ،عرصہ، وقفہ،صبر تحمل ،تزبزب
مماثلت	مشابہت، مانند ہونا۔
مرقع	تصویر کی کتاب
برانگیختہ	بھڑکایا ہوا، طیش میں بھرا ہوا
جزئیات	جزوی کی جمع ،افراد، حصے، چھوٹے چھوٹے امور
قدغن	اہتمام،تاکید، روک ٹوک ،ممانعت ،خبرداری

1.7 حوالہ جات کتب

(۱) اردو خاکہ نگاری	محمد حسین آزاد
(۲) اردو میں خاکہ نگاری	نثار احمد فاروقی
(۳) خاکہ نگاری کا فن اور چند ہم عصر	سید حامید حسین
(۴) خاکہ نگاری کا فن اور چند اہم عنصر	سید حامد حیسین
(۵) اردو ادب میں خاکہ نگاری	صابرہ سعیدہ

باب 02 :۔مولوی عبدالحق کے منتخب خاکے

فہرست

2.0 مقاصد
2.1 تمہید
2.2 موضوع کی وضاحت
2.2.1 مصنف مولوی عبدالحق کا تعارف
2.2.2 (۱) خاکہ ''نام دیو مالی'' (مولوی عبدالحق)
2.2.3 (۲) خاکہ ''گدڑی کا لال'' (مولوی عبدالحق)
2.2.4 (۳) خاکہ ''حالی'' (مولوی عبدالحق)
2.3 خود آموزی کے لیے سوالات
2.4 خلاصہ
2.5 مشقی سوالات
2.6 الفاظ و معنی
2.7 حوالہ جات کتب

2.0 مقاصد

اس باب کے مطالعہ کے بعد طلباء۔۔۔

- مولوی عبدالحق کے حالات زندگی سے واقف ہوسکیں گے۔
- مولوی عبدالحق نے تحریر کردہ خاکہ ''نام دیو مالی'' کا جائزہ لے سکیں گے۔
- خاکہ ''گدری کا لال'' سے واقف ہوسکیں گے۔
- خاکہ ''حالی'' سے واقف ہوسکیں گے۔
- خاکہ نام دیو مالی، گدری کا لال اور حالی ان خاکوں کا خلاصہ بیان کرسکیں گے۔

2.1 تمہید

اس اکائی میں ڈاکٹر مولوی عبدالحق نے تحریر کیے ہوئے منتخب خاکے جن میں نام دیو مالی، گدڑی کا لال اور حالی یہ مشہور خاکے شامل نصاب کیے گئے ہیں۔ ان خاکو کو شامل کرنے کا مقصد طلباء کو خاکہ نگاری سے واقف کرانا ہے۔اسی کے ساتھ ساتھ مولوی عبدالحق نے ان خاکوں کے ذریعے عوام کو یہ پیغام دینے کی کوشش کی ہیں کہ ہمارے اندر ایک دوسرے سے متعلق محبت پیدا ہو جائے، انسان انسان سے محبت کرتا ہے لیکن دنیاں میں ایسے بھی شخص موجود ہے جو درخت، پرندے، چرندے اور دیگر جانداروں سے بھی بے پناہ محبت کرتے دیکھائی دیتے ہیں۔

مولوی عبدالحق کا تحریر کردہ خاکہ ''گدڑی کا لال'' بھی بہت ہی مشہور و معارف خاکہ ہے۔اس خاکہ میں مولوی صاحب نے نور خاں جو کہ ایک سپاہی ہیں ان کی روداد اور ان کی خوبیاں بیان کیں ہیں۔اس خاکہ کے ذریعے انھوں نے یہ بتانے کی کوشش کی ہیں کہ سپاہی پیشہ سے منسلق ہونے کے باوجود ان میں انسانیت، محبت، اور خودداری کوٹ کوٹ کر بھری پڑی ہے۔جو ان کی شخصیت سے ہمیں صاف اور واضح طور پر دیکھائی دیتی ہیں۔

اس باب میں تیسرا خاکہ ''حالی'' اس نام سے شامل کیا گیا ہے۔ اس خاکہ میں مولوی عبدالحق نے مولانا الطاف حسین حالی کی سوانح اور ان کی ادبی خدمات اور ان کی جدوجہد، ان کی تصانیف اور دیگر باتوں پر روشنی ڈالی گئی ہیں۔

2.2 موضوع کی وضاحت

2.2.1 مصنف ''مولوی عبدالحق'' کا تعارف

مولوی عبدالحق اُردو کے نامور محقق، ماہر لسانیات، خاکہ نگار تھے۔آپ ۱۸۷۰ء میں ہاپڑ ضلع میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے محمڈن اینگلو اورینٹل کالج (ایم۔اے۔او۔کالج) علی گڑھ تشریف لے گئے۔سرسید احمد خان سے آپ کے تعلقات بہت اچھے تھے۔ان کی صحبت سے فیض پایا۔سرسید نے تصنیف و تالیف کا کچھ کام ان کے سپرد کیا تھا جس کی بدولت ان کی ادبی صلاحیتیں پروان چڑھی۔یہیں ان کی ملاقات مولانا الطاف حسین حالؔی اور محسن الملک سے بھی ہوئی۔ان بزرگوں سے فیضانِ علم و ادب حاصل کیا۔ عبدالحق نے ان دونوں بزرگوں کے خاکے بھی لکھے ہیں جو ان کی کتاب ''چند ہم عصر'' میں شامل ہیں۔

تعلیم مکمل کرنے بعد مولوی عبدالحق ذریعۂ معاش کی تلاش میں حیدآباد دکن گئے اور ایک اسکول میں مدرس کی نوکری اختیار کی۔اسی شعبہ میں ترقی کرتے کرتے مدارس کے انسپکٹر ہوئے۔۱۹۱۷ء میں کچھ عرصے کے لئے عثمانیہ یونیورسٹی کے شعبۂ

ترجمہ سے جڑے رہے بلآ کر اورنگ آباد کالج میں پرنسل کے عہدے پر فائز ہوئے۔ یہاں سے پھر حیدآباد چلے گئے اور یہاں عثمانیہ یونیورسٹی کے شعبۂ اُردو کے صدر مقرر ہوئے۔ وظیفہ یابی کے بعد دہلی چلے گئے اور انجمن ترقی اُردو کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔ تقسیمِ ہند کے بعد کراچی چلے گئے اور وہاں بھی اُردو کی خدمت میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ آپ نے اردو زبان وادب کے بے لوث خدمت کی اسی باعث آپ کو بابائے اُردو کہتے ہیں۔ ۱۹۶۱ء آپ اس دارِفانی سے کوچ کر گئے۔

مولوی عبدالحق کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے دکنی ادب کی بہت سی نایاب کتابیں ڈھونڈ نکالی اور ان کو ازسرِنو شائع کیے۔ آپ کی بدولت قدیم اُردو کا بیش بہا سرمایہ ہم تک پہنچا ہے۔ ان کتابوں پر عبدالحق نے مقدمے لکھے۔ ان کی اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالی۔ مصنفین کے حالاتِ زندگی دریافت کیے۔ ان کے علمی کارناموں روشنی ڈالی اور ہم تک یہ علمی وادبی خزانہ پہنچایا۔ انہوں نے بہت س کتابیں لکھی ہیں ان میں سے چند کے نام یہاں درج کیے جاتے ہیں۔ چند ہم عصر، قواعدِ اُردو، نصرتی، مرہٹی زبان پر فارسی کا اثر، اُردو کی ابتدائی نشو ونما میں صوفیائے کرام کا حصہ، خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔

2.2.2 (ا) خاکہ ''نام دیومالی'' (مولوی عبدالحق)

نام دیومالی

نام دیو مقبرہ رابعہ دورانی اورنگ آباد (دکن) کا باغ کا مالی تھا۔ قوموں کا امتیاز مصنوعی ہے۔ اور رفتہ رفتہ نسلی ہو گیا ہے۔ سچائی نیکی، حسن کی میراث نہیں ہے۔ یہ خوبیاں نیچی ذات والوں میں بھی ایسی ہی ہوتی ہیں جیسی اونچی ذات والوں میں۔

قیس ہو، کوہ کن ہو یا حآلی
عاشقی کچھ کسی کی ذات نہیں

مقبرے کا باغ میری نگرانی میں میرے رہنے کا مکان بھی باغ کے احاطے میں ہی تھا۔ میں اپنے بنگلے کے سامنے چمن بنانے کا کام نام دیو کے سپرد کیا۔ میں اندر کمرے میں کام کرتا رہتا تھا۔ میری میز کے سامنے ایک بڑی سی کھڑکی تھی۔ اس میں سے چمن صاف نظر آتا تھا لکھتے لکھتے کبھی نظر اٹھا کر دیکھتا ہوں، نام دیو ایک پودے کے سامنے بیٹھا اس کا تھانولا صاف کر رہا ہے۔ تھانولا صاف کر کے حوض سے پانی لیا اور آہستہ آہستہ ڈالنا شروع کیا۔ پانی ڈال کر ڈول درست کیا، اور ہر رخ سے پودے کو مڑ مڑ کر دیکھا۔ پھر الٹے پاوں پیچھے ہٹ کر اسے دیکھنے لگا۔ دیکھتا جاتا اور مسکراتا اور خوش ہوتا تھا۔ یہ دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی اور خوشی بھی، کام اسی وقت ہوتا ہے جب اس میں لذت آنے لگے، بے مزہ کام، کام نہیں بیگار ہے۔

اب مجھے اس سے دلچسپی ہونے لگی، یہاں تک کہ بعض اوقات اپنا کام چھوڑ کر اسے دیکھتا، مگر اسے کچھ خبر نہ ہوتی کہ

کوئی دیکھ رہا ہے یا اس کے آس پاس کیا ہو رہا ہے۔ وہ اپنے کام میں مگن رہتا۔ اس کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ وہ اپنے پودوں اور پیڑوں کو ہی اپنی اولاد سمجھتا تھا اولاد کی طرح ان کی پرورش اور نگہداشت کرتا، ان کو سبز اور شاداب دیکھ کر ایسا ہی خوش ہوتا جیسے ماں بچے کو دیکھ کر خوش ہوتی ہے۔

وہ ایک ایک پودے کے پاس بیٹھتا، ان کو پیار کرتا، جھک جھک کے دیکھتا اور ایسا معلوم ہوتا گویا ان سے چپکے چپکے با تیں کر رہا ہے۔ جیسے جیسے وہ بڑھتے اور پھیلتے پھولتے اس کا دل بھی بڑھتا اور پھولتا تھا۔ ان کو توانا اور ٹانٹا دیکھ کر اس کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ جاتی تھی۔ کبھی کسی پودے میں اتفاق سے کیڑا لگ جاتا، کوئی اور روگ پیدا ہو جاتا تو اسے بڑا فکر ہوتا۔ بازار سے دوائیں لاتا، باغ کے داروغہ یا مجھ سے کہہ کر منگواتا۔ دن بھر اسی میں لگا رہتا۔ اور پودے کی ایسی سیوا کرتا جیسے کوئی ہمدرد اور نیک دل ڈاکٹر اپنے عزیز بیمار کی کرتا ہے۔ ہزار جتن کرتا اور اسے بچا لیتا اور جب تک وہ تندرست نہ ہو جاتا اسے چین نہ آتا۔ اس کے لگائے ہوئے پودے ہمیشہ پروان چڑھے اور کبھی کوئی پیڑ ضائع نہ ہوا۔

باغوں میں رہتے رہتے اس کو جڑی بوٹیوں کی بھی شناخت ہوگئی تھی۔ خاص کر بچوں کے علاج میں سے بڑی مہارت حاصل تھی۔ دور دور سے اس کے پاس لوگ بچوں کے علاج کے لیے آتے تھے۔ وہ اپنے ہی باغ میں سے جڑی بوٹیاں لاکر بڑی شفقت اور غو سے ان کا علاج کرتا۔ کبھی کبھی دوسرے گاوں والے بھی اسے علاج کے لیے بلا لے جاتے، بلا تامل چلا جاتا مفت علاج کرتا اور کبھی کسی سے کچھ نہ لیتا۔

وہ خود ہی صاف ستھرا رہتا تھا۔ اور ایسا ہی اپنے چمن کو بھی رکھتا تھا۔ اس قدر پاک وصاف جیسے رسوئی کا چوکا۔ کیا مجال کو کہیں گھاس پھوس یا کنکر پتھر پڑا رہے۔ روشیں باقاعدہ تھا نو لے درست سنیچائی اور شاخوں کی کاٹ چھانٹ وقت پر، چھاڑنا یا بہارنا، صبح وشام، غرض سارے چمن کو آئینہ بنا دکھا تھا۔

باغ داروغہ (عبدالرحیم خاں فینسی) خود بھی بڑے کارگزار اور مستعد شخص ہیں۔ اور دوسروں سے بھی کھینچ تان کر کام لیتے ہیں۔ اکثر مالیوں کو ڈانٹ ڈپٹ کرنی پڑتی ہے ورنہ ڈرا بھی نگرانی مین ڈھیل ہوئی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئے یا بیڑی پینے لگے یا سائے میں جا لیٹے۔ عام طور پر انسان فطراتاً کاہل اور کام چور واقع ہوا ہے۔ آرام طلبی ہم میں کچھ موروثی ہوگئی ہے۔ لیکن نام دیو کو کبھی کوئی کہنے یا سننے کی نوبت ہی نہ آئی وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر اپنے کام میں لگا رہتا۔

نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا

ایک سال بارش بہت کم، کنووں اور باولیوں میں پانی برائے نام رہ گیا باغ پر آفت ٹوٹ پڑی۔ بہت سے پیڑ اور پودے تلف ہوگئے۔ جو بچ رہے وہ ایسے نڈھال اور مرجھائے ہوئے تھے جیسے دق کے بیمار۔ لیکن نام دیو کا چمن ہرا بھرا تھا۔ اور وہ دور دور سے ایک ایک گھڑا پانی کا سر پر اٹھا کر لاتا اور پودوں کو سینچتا یہ وہ وقت تھا کہ قحط نے لوگوں کے اوسان خطا کر رکھے تھے۔

اورانھیں پینے کو پانی مشکل سے میسر آتا تھا۔مگر یہ خدا کا بندا کہیں نہ کہیں سے لیہی آتا تھا اور اپنے پودوں کی پیاس بجھاتا۔جب پانی کی قلت اور بڑھی تو اس نے راتوں رات کو بھی پانی ڈھنڈ کے لانا شروع کیا۔پانی کیا تھا یوں سمجھیے کہ آدھی پانی اور آدھا کیچڑ ہوتی تھی۔لیکن یہی کدلا پانی پودوں کے حق میں آب حیات تھا۔

میں نے اس بے مثال کارگزاری پر اسے انعام دینا چاہا تو اس نے لینے سے انکار کر دیا۔شاید اس کا کہنا ٹھیک تھا کہ بچوں کو پالنے پوسنے میں کوئی انعام کا مستحق نہیں ہوتا۔کیسی تنگی ترشی ہو تو وہ ہر حال میں کرنا ہی پڑتا ہے۔

جب اعلی حضرت حضور نظام کو اورنگ آباد کی خوشگوار آب وہوا میں باغ لگانے کا خیال ہوا تو یہ کام ڈاکٹر سید معراج الحسن ناظم تعلیمات کو تفویض ہوا۔ڈاکٹر صاحب کا ذوق باغ بانی مشہور تھا۔مقبرۂ رابعہ دورانی اور اس کا باغ جو ترتیب وتعمیر کے اعتبار سے مغلیہ باغ کا بہترین نمونہ ہے۔،مدت سے سنسان اور ویران پڑا تھا،وحشی جانوروں کا مسکن تھا۔اور جھاڑ جھنکاڑ سے اٹا پڑا تھا۔آج ڈاکٹر صاحب کی بدولت سرسبز اور شاداب نظر آتا ہے اور اب دور دور سے لوگ اسے دیکھنے آتے اور سیر وتفریح سے محفوظ ہوتے ہیں۔ڈاکٹر صاحب کو کوئی آدمی پرکھنے میں بھی کمال تھا وہ نام دیو کے بڑے قدردان تھے۔اس مقبرہ سے شاہی باغ میں لے گئے۔شاہی باغ آخر شاہی باغ تھا۔کئی کئی نگرانِ کار اور بیسوں مال،اور مالی بھی کیسے ٹوکیوں سے جاپان سے،طہران سے ایرانی اور شام سے ہوتے تھے۔ان کے بڑے ٹھاٹھ تھے۔یہ ڈاکٹر صاحب کی اپج تھی وہ شاہی باغ کو حقیقت میں شاہی باغ بنانا چاہتے تھے۔یہاں بھی نام دیو کا ہی رنگ تھا۔اس نے یہ فن باغ بانی کی کہیں تعلیم پائی اور نہ اس کے پاس کوئی سند یا ڈپلوما تھا۔البتہ کام کی دھن تھی۔کام سے سچا لگاو اور اسی میں اس کی جیت تھی۔شاہی باغ میں بھی اس کا کام مہاکاج رہا۔دوسرے مالی لڑتے جھگڑتے سیندھی شراب پیتے یہ نہ کسی سے لڑتا جھگڑتا نہ سیندھی شراب پیتا یہاں تک کہ کبھی بیڑی بھی نہ پی۔بس یہ تھا اور اس کا کام۔

ایک دن نہ معلوم کیا بات ہوئی کہ شہد کی مکھیوں کی یورش ہوئی،سب مالی بھاگ بھاگ کر چھپ گئے۔نام دیو کو خبر بھی نہ ہوئی کہ کہا ہو رہا ہے۔وہ برابر اپنے کام میں لگا رہا۔اسے کیا معلوم تھا کہ قضا اس کے سر پر کھل رہی ہے۔مکھیوں کا غضب ناک جھکڑ اس غریب پر ٹوٹ پڑا۔اتنا کاٹا،اتنا کاٹا کہ بے دم ہو گیا۔آخر اس میں جان دے دی میں کہتا ہوں اسے شہادت نصیب ہوئی۔

وہ بہت سادہ مزاج،بھولا بھالا اور منکسر مزاج تھا۔اسکے چہرے پر بشاشت اور لبوں پر مسکراہٹ کھیلتی رہتی تھی۔ چھوٹے بڑے ہر ایک سے جھک کر ملنا،غریب تھا اور تنخواہ بھی کم تھی۔اس پر بھی اپنے غریب بھائیوں کی بساط سے بڑھ کر مدد کرتا رہتا تھا۔کام سے عشق تھا اور آخر کام کرتے ہی دنیا سے رخصت ہو گیا۔

گرمی ہو جاڑا،دھوپ ہو یا سایہ،وہ دن رات برابر کام کرتا رہا لیکن اسے کبھی یہ خیال نہ آیا کہ میں بہت کام کرتا ہوں۔ یا میرا کام دوسروں سے بہتر ہے،اسی لیے اسے اپنے کام پر فخر یا غرور نہ تھا۔وہ یہ باتیں جانتا ہی نہ تھا،اسے کسی سے

بیر تھا نہ جلا پا۔ وہ سب سے محبت کرتا تھا۔ وہ غریبوں کی مدد کرتا وقت پر کام آتا، آدمیوں، جانوروں، پودوں کی خدمت کرتا، لیکن اسے کبھی یہ احساس نہ ہوا کہ وہ کوئی نیک کام کرر ہا ہے۔ نیکی اسی وقت تک نیکی ہے جب آدمی کو یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کوئی نیک کام کرر ہا ہے۔ جہاں اس نے سمجھنا شروع کیا، نیکی نیکی نہیں رہتی۔

جب کبھی مجھے نام دیو کا خیال آتا ہے تو میں سوچتا ہوں کہ نیکی کیا ہے بڑا آدمی کسے کہتے ہیں۔ ہر شخص میں قدرت نے کچھ نہ کچھ صلاحیت رکھی ہے۔ اس صلاحیت کو درجہ کمال تک پہنچانے میں ساری نیکی اور برائی ہے۔ درجہ باکمال تک نہ کبھی کوئی پہنچتا ہے نہ پہنچ سکتا ہے۔ لیکن وہاں تک پہنچنے کی کوشش ہی میں انسان انسان بنتا ہے۔ یہ سمجھو کندن ہو جاتا ہے۔ حساب کے دن جب اعمال کی پانچ پڑتال ہوگی خدا یہ نہ پوچھے گا تو نے کتنی اور کس کی پوجا پاٹ، یا عبادت کی وہ کسی کی عبادت کا محتاج نہیں۔ وہ پوچھے گا تو یہ پوچھے گا کہ میں نے جو استعداد تجھ میں ودیعت کی تھی اسے کم ال تک پہنچانے اور اس سے کام لینے میں تو نے کیا کیا اور خلق اللہ کو اس سے کیا فیض پہنچایا۔ اگر نیکی اور بڑائی کا یہ معیار ہے تو نام دیو نیک بھی تھا اور بڑا بھی۔

(الف) مرکزی خیال

ایک عام انسان جس کا نام، نام دیو ہے۔ جو نچلی ذات سے تعلق رکھتا ہے۔ باغ میں مالی ہے لیکن ایماندار، دیانت دار، محنت و جفاکش ہے۔ اپنے پیشے سے بے حد لگاو رکھتا ہے۔ پودوں کو دیکھ بھال اپنی اولاد کی طرح کرتا ہے۔ صفائی اور نفاست اس کی سرشت میں شامل ہے۔ اس کی عادات و خصائل ہی اس خاکے کا مرکزی خیال ہے۔

(ب) خلاصہ

چند ہم عصر میں مولوی عبدالحق نے قد اور عملی و ادبی شخصیتوں کے ساتھ دو عام انسانوں کے خاکے بھی لکھے ہیں۔ ان میں اے ایک نور خان کا خاکہ ہے اور دوسرا نام دیو مالی کا۔ نام دیو مالی ایک نہایت معمولی انسان تھا۔ نچلی ذات سے تعلق رکھتا تھا۔ اس ذات کو بہت حقیر سمجھا جاتا تھا۔ عبدالحق انسانوں کے درمیان تفریق اور اونچ نیچ کے قائل نہیں ہیں وہ اس تفریق کو مصنوعی خیال کرتے تھے۔ ان کی رائے یہ ہے کہ: ''سچائی، نیکی اور حسن کسی کی میراث نہیں ہوتی۔ یہ خوبیاں نیچی ذات والوں میں بھی ایسی ہی ہوتی ہیں جیسے سے اونچی ذات والوں میں۔''

عبدالحق نے اس خاکے کی ابتداء اسطرح کی ہے : نام دیو مقبرہ رابعہ دورانی اورنگ آباد کے ایک باغ میں مالی تھا۔ وہ نچلی ذات سے تعلق رکھتا کھتا تھا۔ سماج اس کی ذات کو حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ درحقیقت یہ ہندوستانی سماج کا المیہ ہے کہ یہاں

ذات پات کے نظام کوتہذیت کا حصہ قرار دیا جاتا ہے۔۔عبدالحق اس نظریے کی مخالفت میں کہتے ہیں کہ:''قوموں کا امتیاز مصنوعی ہےاور رفتہ رفتہ نسلی ہوگیا ہے۔سچائی،نیکی،حُسن کسی کی میراث نہیں۔یہ خوبیاں نیچی ذات والوں میں بھی ایسی ہی ہوتی ہیں جیسی اونچی ذات والوں میں۔''

رابعہ دورانی مقبرے کا باغ عبدالحق کی نگرانی میں تھا۔ان کے رہنے کا مکان بھی اسی احاطے میں تھا۔مصنف نے ان کے بنگلے کے سامنے باغ بنانے کا کام نام دیو کو دیا تھا۔مصنف کو اپنی میز کی سامنے کی کھڑکی سے باغ کا منظر صاف صاف دکھائی دیتا تھا۔ جہاں نام دیو اپنے اطرف کے ماحول سے بےخبر اپنے کام میں ہمہ تن مصروف رہتا۔اس کی کوئی اولاد نہیں تھی وہ پودوں کی دیکھ بھال اولاد کی طرح کرتا۔پودوں میں اگر کوئی بیماری پھلتی تو ادویات منگواتا،حتیٰ مصنف سے بھی منگواتا۔اس کی یہ ادا مصنف کو بے حد پسند تھی۔

باغوں میں کام کرتے کرتے اس نے جڑی بوٹیوں کا مطالعہ کیا تھا۔اس نے یہ جان لیا تھا کہ کونسی جڑی بوٹی کس مرض کے علاج میں کارگر ہے۔بالخصوص بچوں کے امراض کے علاج پر اسی مہارت حاصل ہوئی۔لوگ اس کے پاس علاج کے لیے آتے سب کا علاج بڑی خوش دلی سے کرتا تھا۔آس پاس کے گانوں کے لوگ بھی اس کو علاج کے لئے بلاتے تھے۔وہ ہاں بھی جاتا تھا۔ وہ سب کا علاج بالکل مفت کرتا۔کبھی کسی سے کچھ نہیں لیتا تھا۔وہ نفاست پسند تھا۔صاف صفائی کا خاص خیال رکھتا تھا۔وہ بذاتِ خود صاف ستھرا رہتا تھا اور باغیچے کو اتنا صاف ستھرا رکھتا تھا جتنا لوگ اپنے گھروں میں اپنی رسوئی کا چوکھا صاف ستھرا رکھتے ہیں۔

باغ میں دیگر مالی سستی وکاہلی کرتے تھے۔بیٹر پینے کے لئے درختوں سے سائے میں لیٹ جاتے تھے۔باغ کے دوغہ عبدالرحیم خاں فینسی ان کو ڈانٹ ڈپٹ کر کے ان سے کام لیتے تھے لیکن نام دیو کو ایسی نوبت نہیں آتی تھی۔وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر اپنا کام ایماندار و دیانت داری سے کرتا رہتا تھا۔ایک سال شہر میں قحط پڑا۔قحط کے زمانے میں سارے شہر میں پانی کی قلت ہوئی ،لوگوں کو پینے کا پانی ملنا بھی مشکل ہوا۔شہر کے سارے باغ ویران ہوئے لیکن نام دیو بڑی محنت ومشقت سے دور دراز پیدل جا کر پودوں کے لیے پانی لاتا تھا۔اس کی کوششوں سے اس قحط میں بھی اس باغ سرسبز وشاداب رہا۔مصنف نے لکھتے ہیں کہ: '' میں نے اِس بے مثال کارگذاری پا اُسے انعام دینا چاہا تو اُس نے لینے سے انکار کر دیا۔شاید اس کا کہنا ٹھیک تھا کہ اپنے بچوں کے پالنے پوسنے میں کوئی انعام کا مستحق نہیں ہوتا۔''

اسی مقبرے میں نظام اورنگ آباد کے حکم سے اسے شاہی باغ بنانے کی ذمہ داری ڈاکٹر سید سراج الحسن کو دی گئی۔ان کا ذوقِ باغبانی بہت مشہور تھا۔انھوں نے اس باغ کو مغلیہ طرز کا باغ بنانا شروع کیا۔جس باغ کی تعمیر کے لیے انھوں نے فنِ باغبانی کے ماہرین کو ٹوکیو اور طہران سے بلایا۔وہ بلا کے مردم شناس تھے انھوں نے ان ماہرین کے ساتھ نام دیو کو بھی شامل کیا۔حالانکہ نہ

پڑھا لکھا تھا۔ نہ فن باغنی کی کوئی سند اُس کے پاس تھی۔ مصنف لکھتے ہیں: ''اُس نے نہ فنِ باغبانی کی کہیں تعلیم پائی تھی اور نہ اُس کے پاس کوئی سند یا ڈپلوما تھا۔ البتہ کام کی دھن تھی۔ کام سے سچا گاؤ تھا اور اسی میں اُس کی جیت تھی۔ شاہی باغ میں بھی اسی کا کام مہا کاج رہا۔''

نام دیو اسی طرح اپنے کام میں مگن رہتا تھا۔ ایک وہ دن اپنے کام میں مشغول تھا کہ شہد کی مکھیوں نے اس پر حملہ کر دیا۔ سب مالی جان بچا کر وہاں سے بھاگ کر ادھر اُدھر چھپ گئے مگر اسے خبر بھی نہ ہوئی۔ مکھیوں نے اسے اتنا کاٹا کہ اس نے وہیں دم توڑ دیا۔ مصنف کہتے ہیں کہ ''وہ مرا نہیں شہید ہوا ہے۔''

خاکے کے اختتام میں عبدالحق لکھتے ہیں:

جب کبھی مجھے نام دیو کا خیال آتا ہے تو میں سوچتا ہوں کہ نیکی کیا ہے اور بڑا آدمی کسے کہتے ہیں! ہر شخص میں قدرت نے کوئی نہ کوئی صلاحیت رکھی ہے۔ اس صلاحیت کو درجۂ کمال تک پہنچانے میں ساری نیکی اور بڑائی ہے۔ درجۂ کمال تک نا کبھی کوئی پہنچا ہے نہ پہنچ سکتا ہے۔ لیکن وہاں تک پہنچنے کی کوشش میں انسان انسان بنتا ہے۔ یہ سمجھو کندن ہو جاتا ہے۔ حساب کے دن جب اعمال کی جانچ پڑتال ہوگی خدا یہ نہیں پوچھے گا کہ تو نے کس کی اور کتنی پوجا کی یا عبادت کی۔ وہ کسی کی عبادت کا محتاج نہیں۔ وہ پوچھے گا تو یہ پوچھے گا کہ میں نے جو استعداد تجھ میں ودیعت کی تھی اُسے کمال تک پہنچانے اور اس سے کام لینے میں تو نے کیا کیا اور خلق کو اس سے کیا فیض پہنچایا۔ اگر نیکی اور بڑائی کا یہ معیار ہے تو نام دیو نیک بھی تھا اور بڑا بھی۔ وہ نچلی ذات سے تعلق رکھتا تھا لیکن اچھے اچھے شریفوں سے زیادہ شریف تھا۔

خود کو جانچنے کے لیے سوالات۔۱

سوال نمبر 1:۔ مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات ایک جملے میں دیجیے۔

(۱) نام یو مالی کے خاکہ نگار کون ہیں؟

جواب:۔ مولوی عبدالحق

(۲) نام دیو مالی کس کا خاکہ ہے؟

جواب:۔ مولوی عبدالحق

(۳) مقبرہ رابعہ دورانی کہاں واقع تھا؟

جواب:۔ اورنگ آباد (دکن)

(۴) مقبرہ رابعہ دورانی کس کی نگرانی میں تھا؟

جواب:۔ مولوی عبدالحق

(۵) نام دیو کو کس کے علاج میں ماہرت حاصل کی تھی؟

جواب:۔ جڑی بوٹی کے علاج میں ماہرت

(۶) مقبرہ رابعہ دورانی کے باغ کس کی نگرانی میں تھا؟

جواب:۔ عبدالحق

(۷) نظام نے باغ بنانے کی ذمہ داری کس کی تھی؟

جواب:۔ ڈاکٹر سراج الدین

(۸) نام دیو کس کے کانٹنے سے مرا؟

جواب:۔مکھیوں کے کانٹنے سے مرا۔

سوال نمبر2:۔ مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات مختصراً دیجیے۔

(۱) مولوی عبدالحق اپنے کمرے سے نام دیوں کا مشاہوہ کس طرح کرتے تھے؟

(۲) نام دیو پودوں کی دیکھ بھال کس طرح کرتا تھا؟

(۳) نام دیو کے جڑی بوٹی سے علاج کرنے کے متعلق مختصر نوٹ لکھیے۔

(۴) قحط کے سال میں نام دیو نے باغ کو سرسبز وشاداب کس طرح رکھا؟

(۵) نام دیو کے موت واقع ہونے کا واقعہ بیان کیجیے

(۶) خاکہ نام دیو مالی کا مرکزی خیال لکھیے۔

(۷) عبدالحق کا مختصر تعارف دیجیے۔

سوال نمبر3 :۔ مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات مفصل دیجیے۔

(۱) عبدالحق کا مختصر تعارف لکھتے ہوئے نام دیو مالی کے اخلاق وعادات پر اظہارِ خیال کیجیے

(۲) خاکہ نام دیو مالی کا خلاصہ لکھیے۔

(۳) خاکہ نام دیو مالی کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔

2.2.3 (۲) خاکہ " گدڑی کالال " (مولوی عبدالحق)

گدڑی کالال۔نورخاں

۱۹۳۰ء

لوگ بادشاہوں اورامیروں کے قصیدے لکھتے ہیں۔ناموراورمشہورلوگوں کے حالات قلمبند کرتے ہیں۔میں ایک غریب سپاہی کا حال لکھتا ہوں،اس خیال سے کے شاید کوئی پڑھے اور سمجھے کہ دولت مندوں،امیروں اور بڑے لوگوں کے ہی حالات لکھنے اور پڑھنے کے قابل نہیں ہوتے بلکہ غریبوں میں بھی بہت سے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی زندگی ہمارے لیے سبق آموز ہوسکتی ہے۔ انسان کا بہترین مطالعہ انسان ہے اور انسان ہونے میں امیر اور غریب کا کوئی فرق نہیں۔

پھول میں گر آن ہے کانٹے میں بھی ایک شان ہے

نورخان مرحوم کنٹنجٹ کے اول رسالے میں سپاہی سے بھرتی ہوئے۔انگریزی افواج میں حیدرآباد کی کنٹنجٹ خاص حیثیت اور امتیاز رکھتی تھی۔ ہر شخص اس میں بھرتی نہیں ہوسکتا تھا۔ بہت دیکھ بھال ہوتی تھی،بعض اوقات نسب نامے تک دیکھے جاتے تھے تب کہیں جا کر ملازمت ملتی تھی۔کوشش یہ ہوتی تھی کہ صرف شرفاء اس میں بھرتی کئے جائیں،یہی وجہ ہے کہ کنٹنجنٹ والے عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے لیکن بعد میں یہ قید اٹھ گئی اور اس میں اور انگریزوں کی دوسری فوجوں میں کوئی فرق نہیں رہا۔ پہلے زمانہ میں سپاہ گیری بہت معزز پیشہ سمجھا جاتا تھا اب اس میں اور دوسرے پیشوں میں کوئی فرق نہیں رہا۔بات یہ ہے کہ اشراف کا سنبھالنا بہت مشکل کام ہے۔اس میں ایک آن بان اور خودداری ہوتی ہے جو بہادری اور انسانیت کا اصل جوہر ہے ہر کوئی اس کی قدر نہیں کر سکتا۔اس لئے شریف روتا اور ذلیل ہنستا ہے۔ یہ جتنا پھیلتا ہے وہ اتنا ہی سکڑتا ہے۔کرنل نواب افسرالملک بہادر بھی نورخاں مرحوم ہی کے رسالے کے ہیں،کنٹنجنٹ کے بہت سے لوگ اکثر کرنل صاحب موصوف کے توسط سے نواب کرنیل،میجر،کپتان اور بڑے بڑے عہدیدار ہیں۔لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کوئی نورخاں بھی ہے؟

اول رسالے کے بعض لوگوں سے معلوم ہوا کہ خان صاحب مرحوم فوج میں بھی بڑی آن بان سے رہے اور سچائی اور فرض شناسی میں مشہور تھے۔ یہ ڈرل انسٹرکٹر تھے یعنی گوروں کو جو نئے بھرتی ہو کو آتے تھے ڈرل سکھاتے تھے۔اس لیے اکثر گورے افسروں سے واقف تھے۔وہ بڑے شہسوار تھے اور گھوڑے خوب پہچانتے تھے۔ بڑے بڑے سرکش گھوڑے جو پٹھے پر ہاتھ نہ دھرنے دیتے تھے انہوں نے درست کئے گھوڑے کو سدھارنے اور پھیرنے میں انھیں کمال تھا۔چونکہ بدن کے چھریرے اور ہلکے پھلکے تھے۔گھوڑ دوڑ میں گھوڑے دوڑاتے تھے اور اکثر شرطیں جیتتے تھے۔ان کے افسر اُن کی مستعدی اور خوش تدبیری اور سلیقے سے

بہت خوش تھے۔لیکن کھُرّے پن سے وہ بعض اوقات ناراض ہوجاتے تھے۔ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ان کے کمانڈنگ افسر نے ان سے کسی بات پر خفا کر جیسا کہ انگریزوں کا عام قاعدہ ہے انھیں ڈیم کہہ دیا۔یہ تو گالی تھی۔خاں صاحب کسی کی ترچھی نظر کے بھی روادار نہ تھے۔انھوں نے فوراً رپورٹ کردی لوگوں نے چاہا کہ معاملہ رفع دفع ہوجائے اور آگے نہ بڑھے۔مگر خاں صاحب نے ایک نہ سنی،معاملے نے طول کھینچا اور جنرل صاحب کو لکھا گیا۔کمانڈنگ افسر کا کورٹ مارشل ہوا اور اس سے کہا گیا کہ خاں صاحب سے معافی مانگے،ہر چند اس نے بچنا چاہا مگر پیش نہ گئی اور مجبوراً اسے معافی مانگنی پڑی۔ایسی خودداری اور نازک مزاجی پر ترقی کی توقع رکھنا عبث ہے۔نتیجہ یہ ہے کہ دفعداری سے آگے نہ بڑھے۔

اچھے برے ہر قوم میں ہوتے ہیں۔شریف افسر خاں صاحب کی سچائی اور دیانتداری اور جفاکشی کی بڑی قدر کرتے تھے اور ان کو اپنی اردلی میں رکھتے تھے۔مگر بعض ایسے بھی تھے کہ جن کے سر میں خنّاس سمایا ہوا تھا۔انھیں خاں صاحب کے یہ ڈھنگ پسند نہ تھے اور وہ ہمیشہ ان کے نقصان کے درپے رہتے تھے۔ایسے لوگ اپنی اور اپنے قوم والوں کی خودداری کو جوہر شرافت سمجھتے تھے۔لیکن اگر یہی جوہر کسی دیسی میں ہوتا تو اسے غرور اور گستاخی پر محمول کرتے ہیں تاہم ان کے اکثر انگریز افسران ان پر بہت مہربان تھے خاص کر کرنل فرن ٹین ان پر بڑی عنایت کرتے تھے اور خاں صاحب پر اس قدر اعتبار تھا کہ شاید کسی اور پر ہو۔جب کرنل صاحب نے اپنی خدمت سے استفعیٰ دیا تو اپنا تمام مال واسباب اور سامان جو ہزار ہا روپے کا تھا خاں صاحب کے سپرد کردیا۔یہ امر انگریز افسروں کو بہت ناگوار ہوا۔اس وقت کے کمانڈنگ افسر سے نہ رہا گیا اور اس نے کرنل موصوف کو لکھا کہ آپ نے ہم پر اعتماد نہ کیا اور ایک دیسی دفعدار کو اپنا تمام قیمتی سامان حوالے کر گئے۔اگر آپ یہ سامان ہمارے سپرد کر جاتے تو اسے اچھے داموں میں فروخت کر کے قیمت آپ کے پاس بھیج دیتے۔اگر اب بھی لکھیں تو اس کا انتظام ہوسکتا ہے۔کرنل نے جواب دیا کہ مجھے نور خاں پر تمام انگریز افسروں سے زیادہ اعتماد ہے۔آپ کو زحمت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔اس پر یہ لوگ اور برہم ہوئے۔ایک کمانڈنگ افسر یہ سامان دیکھنے آیا اور کہنے لگا فلاں فلاں چیز میم صاحب نے ہمارے یہاں سے منگوائی تھی،چلتے وقت واپس کرنی بھول گئے۔اب تم یہ سب چیزیں ہمارے بنگلے پر بھیج دو۔

خاں صاحب نے کہا میں ایک چیز بھی نہیں دوں گا۔آپ کرنل صاحب کو لکھئے وہ اگر مجھے لکھیں گے تو مجھے دینے میں کچھ عذر نہ ہوگا۔وہ اس جواب پر بہت بگڑا اور کہنے لگا تم ہمیں جھوٹا سمجھتے ہو؟ خاں صاحب نے کہا میں آپ کو جھوٹا نہیں سمجھتا،یہ سامان میرے پاس امانت ہے اور ہمیں کسی کو اس میں سے ایک تنکا بھی دینے کا مجاز نہیں۔غرض وہ بڑبڑتا ہوا کھسیانا ہوکر چلا گیا۔خاں صاحب نے ایک انگریزی محّرر سے اس سامان کی ایک مکمل فہرست تیار کرائی اور کچھ تو خود خریدی اور کچھ نیلام کے ذریعہ بیچ کر ساری رقم کرنل صاحب کو بھیج دی۔

نہ معلوم یہی کرنل تھا یا دوسرا کوئی افسر، جب ملازمت سے قطع تعلق کر کے جانے لگا تو اس نے ایک سونے کی گھڑی، ایک عمدہ بندوق اور پانسو روپے نقد بطور شکرانے کے خاں صاحب کو دیے۔ خاں صاحب نے لینے سے انکار کیا اور اس کی بیوی نے بہتر اصرار کیا مگر انہوں نے سوائے بندوق کے دوسری کوئی چیز نہ لی اور باقی سب چیزیں واپس کر دیں۔

کرنل اسٹوارٹ بھی جو ہنگولی چھاؤنی کے کمانڈنگ افسر تھے، ان پر بہت مہربان تھے، رسالے کے شریف انگریزوں سے کہا کرتے تھے کہ ہمارے بعد انگریز افسر تم کو نقصان بہت پہنچائیں گے۔ وہ ان کی روش سے خوش نہ تھے اور خوش کیوں کر ہوتے خوشامد سے انہیں چڑ تھی اور غلامانہ اطاعت آتی نہیں تھی۔ ایک بار کا ذکر ہے کہ اپنے کرنل کے ہاں کھڑے تھے کہ ایک انگریز افسر گھوڑے پر سوار آیا۔ گھوڑے سے اتر کر اس نے خاں صاحب سے کہا گھوڑا پکڑو۔ انہوں نے کہا میں سائیس نہیں ہوں۔ اس نے ایسا جواب کاہے کو سنا تھا بہت چیں بہ جبیں ہوا مگر کیا کرتا۔ آخر باگ درخت کی ایک شاخ سے اٹکا کر اندا چلا گیا۔ اب نہ معلوم یہ خاں صاحب کی شرارت تھی یا اتفاق کہ باگ شاخ سے نکل گئی اور گھوڑا بھاگ نکلا۔ اب جو صاحب باہر آئے تو گھوڑا ندارد، بہت جھنجھلایا، بڑی مشکل سے تلاش کر کے پکڑوایا تو جگہ جگہ سے زخمی پایا۔ اس نے کرنل صاحب سے خاں صاحب کی بہت شکایت کی۔ معلوم نہیں کرنل نے اس انگریز کو کیا جواب دیا لیکن وہ خاں صاحب سے بہت خوش ہوا اور کہا تم نے خوب کیا۔

خاں صاحب نے جب یہ رنگ دیکھا تو خیر اسی میں سمجھی کہ کسی طرح وظیفہ لے کر الگ ہو جائیں، وہ بیمار بن گئے اور اسپتال میں رجوع ہوئے۔ کرنل اسٹوارٹ نے ڈاکٹر سے کہہ کر ان کو مدد دی اور اس طرح وہ کچھ دنوں بعد ڈاکٹر کی رپورٹ پر وظیفہ لے کر فوجی ملازمت سے سبکدوش ہو گئے۔ سچ ہے انسان کی برائیاں ہی اس کی تباہی کا باعث نہیں ہوتیں بعض اوقات اس کی خوبیاں بھی اسے لے ڈوبتی ہیں۔

کرنل اسٹوارٹ نے بہت چاہا کہ وہ مسٹر ہنکن ناظم پولس سے سفارش کر کے انہیں ایک اچھا عہدہ دلا دیں مگر خاں صاحب نے اسے قبول نہ کیا اور کہا کہ اب میں اپنے وطن دولت آباد میں ہی رہنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ صوبے دار صاحب اورنگ آباد سے سفارش فرما دیں تو بہت اچھا ہو۔ کرنل صاحب بہت اصرار کرتے رہے۔ دیکھو تمہیں پولس میں بہت اچھی خدمت مل جائے گی انکار نہ کرو مگر یہ نہ مانے آخر مجبور ہو کر نواب مقتدر جنگ بہادر صوبے دار صوبۂ اورنگ آباد سے سفارش کی۔ صوبے دار صاحب کی عنایت سے وہ قلعہ دولت آباد کی جمعیت کے جمعدار ہو گئے۔ اور بہت خوش تھے۔

نواب مقتدر جنگ کے بعد نواب بشیر نواز جنگ اور اورنگ آباد کی صوبے داری پر آئے وہ بھی خاں صاحب پر بہت مہربان تھے۔ اسی زمانے میں لارڈ کرزن وائسرائے دولت آباد تشریف لائے۔ خاں صاحب نے سلامی دینے کی تیاری کی، کئی توپیں ساتھ ساتھ رکھ کر سلامی دینی شروع کی۔ لارڈ کرزن گھڑی نکال کر دیکھ رہے تھے جب سلامی ختم ہوئی تو نواب صاحب سے خاں

صاحب کی تعریف کی۔سلامی ایسے قاعدے اور انداز سے دی کہ ایک سکنڈ کا فرق نہ ہونے پایا۔نواب صاحب نے اس کا تذکرہ خاں صاحب سے کیا اور کہا میاں اب تمہاری خیر نہیں معلوم ہوتی۔

لارڈ کرزن جب قلعہ کے اوپر بالا حصار پر گئے تو وہاں ستانے کے لئے کرسی پر بیٹھ گئے اور جیب سے سگرٹ دان نکال کر سلگایا ہی تھا کہ فوجی سلامی کر کے آگے بڑھے اور کہا کہ یہاں سگرٹ پینے کی اجازت نہیں ہے، لارڈ کرزن نے جلتا ہوا سگرٹ نیچے پھینک دیا اور جوتے سے رگڑ ڈالا۔یہ حرکت دیکھ نواب بشیر نواز جنگ بہادر اور دوسرے عہدیداران کا رنگ فق ہو گیا۔مگر موقع ایسا تھا کہ کچھ کہہ نہیں سکتے تھے۔لہو کے گھونٹ پی کر چپ رہ گئے۔بعد میں بہت لے دے کی،مگر اب کیا ہو سکتا تھا،خاں صاحب نے قاعدے کی پوری پوری پابندی کی تھی اس پر چون و چرا کی گنجائش نہ تھی۔

اب اسے اتفاق کہئے یا خاں صاحب کی تقدیر کہ لارڈ کرزن نے جانے کے بعد ہی فنانس کی معتمدی مسٹر واکر کا انتخاب کیا۔ریاست کے مالیے کی حالت اس زمانے بہت خراب تھی۔مسٹر واکر نے اصلاحیں شروع کیں۔اس لپیٹ میں قلعہ دولت آباد بھی آ گیا اوروں کے ساتھ خاں صاحب بھی تخفیف میں آ گئے۔

دولت آباد میں ان کی کچھ زمین تھی اس میں باغ لگانا شروع کر دیا۔مسٹر واکر دورے پر دولت آباد آئے تو ایک روز ٹہلتے ٹہلتے ان کے باغ میں آ پہنچے۔خاں صاحب بیٹھے گھاس کھرپ رہے تھے۔مسٹر واکر کو دیکھا تو اٹھ کر سلام کیا۔پوچھا کیا حال ہے کہنے لگے آپ کی جان و مال کو دعا دیتا ہوں کہ آپ کی بدولت گھاس کھودنے کی نوبت آ گئی ہے۔مسٹر واکر نے کہا ک یہ تو بہت اچھا کام ہے۔دیکھو تمہارے درخت کیسے انجیروں سے لدے ہوئے ہیں۔ایک ایک آنے کو انجیر بیچو تو کتنی آمدنی ہو جائے گی۔خاں صاحب گھبرائے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ کمبخت انجیروں پر بھی ٹیکس لگا دے،تڑ سے جواب دیا کہ آپ نے انجیر لدے ہوئے تو دیکھ لئے اور یہ نہ دیکھا کہ کتنے سڑ گل جاتے ہیں۔کتنے آندھی ہوا سے گر پڑتے ہیں،کتنے پرندے کھا جاتے ہیں۔اور پھر ہماری دن رات کی محنت۔مسٹر واکر مسکراتے ہوئے چلے گئے۔

اسی زمانے میں ڈاکٹر سید سراج الحسن صاحب اورنگ آباد کے صدر مہتمم تعلیمات ہو کر آئے تھے۔ڈاکٹر صاحب بلا کے مردم شناس ہیں۔تھوڑی ہی دیر میں اور چند باتوں میں آدمی ایسا پرکھ لیتے تھے کہ حیرت ہوتی ہے پھر جیسا وہ آدمی کو سمجھتے ہیں ویسا ہی نکلتا ہے۔کبھی خطا ہوتے نہیں دیکھی۔ڈاکٹر صاحب ایسے قابل جوہروں کی تلاش میں رہتے ہیں۔فوراً ہی خاں صاحب کو اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا۔ڈاکٹر صاحب کا برتاو ان سے بہت شریفانہ اور دوستانہ تھا۔نواب برزور جنگ اس زمانے میں صوبے دار تھے،مقبرہ کا باغ ان کی نگرانی میں تھا۔ڈاکٹر صاحب نے سفارش کر کے باغ سے پانچ روپے ماہانہ الاونس مقرر کرا دیا۔

نواب برزور جنگ کے پاس ایک گھوڑا تھا۔وہ اسے بیچنا چاہتے تھے۔کلب میں کہیں اس کا ذکر آیا۔ڈاکٹر صاحب نے کہا

مجھے گھوڑے کی ضرورت ہے اسے خریدلوں گا۔مگر پہلے نورخاں کو دکھالو، وہاں سے آکر ڈاکٹر ڈصاحب نے خاں صاحب سے یہ واقعہ بیان کیا اور کہا کہ ابھی اس گھوڑے کو دیکھ آؤ کوئی عیب تو نہیں۔خاں صاحب نے کہا آپ نے غضب کیا میرا نام لے دیا۔گھوڑے تو میں کوئی عیب ہوا تو میں چھپاؤنگا نہیں اور صوبیدار صاحب مفت میں مجھ سے ناراض ہوجائیں گے۔ڈاکٹر صاحب نے کہا تم خوامخواہ وہم کرتے ہو،کل جاکے ضرور گھوڑا دیکھ لو۔خاں صاحب گئے،گھوڑا نسل کا تو اچھا تھا مگر پانچوں شرعی عیب موجود تھے۔ انہوں نے صاف صاف آکر کہہ دیا اور داکٹر صاحب نے خریدنے سے انکار کردیا۔صوبے دار آگ بگولا ہوگئے دوسرے روز مقبرے میں آئے اور باغ کا رجسٹر منگوایا اور نورخاں کے نام پر اس زور سے قلم کھینچا کہ اگر حرفوں اور لفظوں میں جان ہوتی تو وہ بلبلا اٹھتے۔ڈاکٹر صاحب کو معلوم ہوا تو بہت افسوس کیا مگر انہوں نے اس کی تلافی کردی، یہ سن کر صوبے دار صاحب اور بھی جھنجلائے۔

ڈاکٹر صاحب ترقی پاکر حیدرآباد چلے گئے۔ان کی خدمت کا دوسرا انتظام ہوگیا۔کچھ دنوں بعد ڈاکٹر صاحب ناظم تعلیمات ہوگئے اور میں ان کی عنایت سے صدر مہتمم تعلیمات ہوکر اورنگ آباد آیا ڈاکٹر صاحب ہی نے مجھے نورخاں سے ملایا اور ان کی سفارش کی۔ڈاکٹر صاحب نے انھیں عارضی طور پر دولت آباد میں مدرس کردیا تھا، میں نے عارضی طور پر اپنے دفتر میں محرر کردیا۔وہ مدرسی اور محرری تو کیا کرتے مگر بہت سے مدرسوں اور محرروں سے زیادہ کارآمد تھے۔ڈاکٹر صاحب نے جب باغ کی نگرانی میرے حوالے کی تو خاں صاحب کا الاؤنس بھی جاری ہوگیا۔

اعلیٰ حضرت واقدس بعد تخت نشینی اورنگ آباد رونق افروز ہوئے تو یہاں کی خوش آب وہوا کو بہت پسند فرمایا اور ایک عظیم الشان باغ لگانے کا حکم دیا۔یہ کام ڈاکٹر صاحب کے سپرد ہوا اور ان سے بہتر یہ کام کوئی کر بھی نہیں سکتا تھا۔ڈاکٹر صاحب کی مہربانی سے آخر اس باغ کے عملے میں خاں صاحب کو بھی ایک اچھی سی جگہ مل گئی جوان کی طبیعت کے مناسب تھی اور آخر دم تک وہ اسی خدمت پر رہے اور جب تک دم میں دم رہا اپنے کام کو بڑی محنت اور دیانتداری سے کرتے رہے۔

یوں محنت سے کام تو اور بھی کرتے لیکن خاں صاحب میں بعض ایسی خوبیاں تھیں جو بڑے سے بڑے لوگوں میں بھی نہیں ہوتیں۔سچائی، بات کی اور معاملے کی، ان کی سرشت میں تھی خواہ جان ہی پر کیوں نہ بن جائے، وہ سچ کہنے سے کبھی نہیں چوکتے تھے۔اسی میں انھیں نقصان بھی اٹھانے پڑے مگر وہ سچائی کی خاطر سب کچھ گوارا کرلیتے تھے۔مستعد ایسے تھے کہ اچھے اچھے جوان ان کا مقابلہ نہیں کرسکتے تھے دن ہو، رات ہو، ہر وقت کام کرنے کو تیار۔اکثر دولت آباد سے پیدل آتے جاتے تھے۔کسی کام کو کہئے تو ایسی خوشی سے کرتے تھے کہ کوئی اپنا کام بھی اس قدر خوشی سے نہ کرتا ہوگا۔دوستی کے بڑے پکّے اور بڑے وفادار تھے، چونکہ ادنیٰ اعلیٰ سب ان کی عزت کرتے تھے اس لئے ان کے غریب دوستوں سے بہت سے کام نکلتے تھے۔ان کا گھر مہمان سرائے تھا۔

اورنگ آباد کے آنے جانے والے کھانے کے وقت بے تکلف ان کے گھر پہنچ جاتے اور وہ ان سے بہت خوش ہوتے تھے۔بعض لوگ جو مسافر بنگلے میں آ کر ٹھہر جاتے تھے ان کی دعوت کر دیتے تھے۔بعض اوقاف ٹولیوں کی ٹولیاں پہنچ جاتی تھی اور وہ ان کی دعوتیں بڑی فیاضی سے کرتے تھے۔اس قدر قلیل معاش ہونے پر ان کی یہ مہمان نوازی دیکھ حیرت ہوتی تھی۔ان کی بیوی بھی ایسی نیک بخت تھی کہ دفعتاً مہمانوں کے پہنچ جانے سے کبھی کبیدہ خاطر نہ ہوتی تھی بلکہ خوشی خوشی کام کرتی اور کھلاتی تھی۔خود دار ایسے کہ کسی سے ایک پیسے کے روادار نہ ہوئے تھے۔ڈاکٹر سراج الحسن ہر چند طرح طرح سے ان کے ساتھ سلوک کرنا چاہتے تھے مگر وہ ٹال جاتے تھے۔مجھ سے انہیں خاص انس تھا، میں کوئی چیز دیتا تھا تو کبھی انکار نہ کرتے تھے، بلکہ کبھی کبھی خود فرمائش کرتے تھے، مٹھاس کے بے حد شائق تھے۔ان کا قول تھا ''اگر کسی کو کھانے کو میٹھا ملے تو نمکین کیوں کھائے۔وہ کہا کرتے تھے کہ نمکین کھانا مجبوری سے کھاتا ہوں۔مجھ میں اگر استطاعت ہو تو ہمیشہ مٹھاس ہی کھایا کروں اور نمکین کو ہاتھ نہ لگاؤں۔''انہیں مٹھاس کو کھاتے دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔اکثر جیب میں گڑ رکھتے تھے۔ایک بار میرے ساتھ دعوت میں گئے قسم قسم کے تکلف کے کھانے تھے۔خاں صاحب نے چھوٹتے ہی میٹھے پر ہاتھ ڈالا۔ایک صاحب جو دعوت میں شریک تھے یہ خیال کر کے کہ خاں صاحب کو دھوکا ہوا کہنے لگے کہ ''حضرت یہ میٹھا ہے۔'' مگر انھوں نے کچھ پروانہ کی اور برابر کھاتے رہے، جب وہ ختم ہو گیا تو دوسرے میٹھے پر ہاتھ بڑھایا۔ان حضرت نے پھر ٹوکا کہ حضرت یہ میٹھا ہے، انھوں نے جواب نہ دیا اور اسے بھی ختم کر ڈالا۔جب کبھی وہ کسی دوست کے ہاں جاتے وہ انھیں ضرور میٹھا کھلاتے اور یہ خوش ہو کر کھاتے۔

خاں صاحب بہت زندہ دل تھے۔چہرے پر ہمیشہ مسکراہٹ رہتی تھی جسے دیکھ کر خوشی ہوتی تھی، وہ بچوں میں بچے، جوانوں میں جوان اور بوڑھوں میں بوڑھے تھے۔غم اور فکر کو پاس نہ آنے دیتے تھے اور ہمیشہ خوش رہتے تھے اور دوسروں کو بھی خوش رکھتے تھے۔ان سے ملنے اور باتیں کرنے سے غم غلط ہوتا تھا، آخر دم تک ان کی زندہ دلی ویسی ہی رہی۔

ڈاکٹر سراج الحسن صاحب جب کبھی اورنگ آباد آتے تو اسٹیشن سے اترتے ہی اپنا روپیہ پیسہ سب ان کے حوالے کر دیتے تھے اور سب خرچ ان ہی کے ہاتھ سے ہوتا تھا۔جانے سے ایک قبل وہ حساب لے کر بیٹھتے، بعض وقت جب بدھ نہ ملتی تو آدھی آدھی رات تک کے لئے بیٹھے رہتے۔ہر چند ڈاکٹر صاحب کہتے کہ خاں صاحب یہ تم کیا کرتے ہو، جو خرچ ہوا ہوا باقی جو بچا وہ دے دو یا زیادہ خرچ ہوا تو لے لو مگر وہ کہاں مانتے تھے۔جب تک حساب ٹھیک نہ بیٹھتا انھیں اطمینان نہ ہوتا چلتے وقت کہتے کہ لیجئے صاحب یہ آپ کا حساب ہے اتنا خرچ ہوا اور اتنا بچا۔یا کچھ زیادہ خرچ ہو جاتا تو کہتے کہ اتنے پیسے ہمارے خرچ ہوئے یہ ہمیں دلوائے۔کبھی ایسا ہوا کہ انھیں کچھ شبہ ہوا تو جانے کے بعد پھر حساب لے کر بیٹھتے اور خط لکھ کر بھیجتے کہ اتنے آنے آپ کے رہ گئے تھے، وہ بھیجے جاتے ہیں، یا اتنے پیسے میرے زیادہ خرچ ہو گئے تھے، وہ بھیج دیجئے گا، ڈاکٹر صاحب ان باتوں پر بہت جھنجھلاتے تھے۔

وہ حساب کے کھرے، بات کے کھرے اور دل کے کھرے تھے۔ وہ مہر و وفا کے پتلے اور زندہ دلی کی تصویر تھے ایسے نیک نفس، ہمدرد مرنج و مرنجان اور وفعدار لوگ کہاں ہوتے ہیں۔ ان کے بڑھاپے پر لوگوں کو رشک آتا تھا ان کی مستعدی دیکھ کر دل میں امنگ پیدا ہوتی تھی۔ ان کی زندگی بے لوث تھی اور ان کی زندگی کا ہر لمحہ کسی نہ کسی کام میں صرف ہوتا تھا۔ مجھے وہ اکثر یاد آتے ہیں اور یہی حال ان کے دوسرے جاننے والوں اور دوستوں کا ہے۔ اور یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ وہ کیسا اچھا آدمی تھا۔ قومیں ایسے ہی لوگوں سے بنتی ہیں۔ کاش ہم میں بہت سے نور خاں ہوتے!

(الف) مرکزی خیال

گدڑی کا لال۔۔ نور خان کے خاکہ نگار مولوی عبدالحق ہیں۔ یہ نور خان کا خاکہ ہے۔ یہ خاکہ نگاری کا بہترین نمونہ ہے۔ ویسے سوانح اور خاکے اکثر اعلیٰ لوگوں کے لکھے جاتے ہیں لیکن ذاتی خوبیاں اور نیکیوں پر صرف بڑے لوگوں کی اجارداری نہیں ہوتی، یہ ہر طبقے کے لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ اس ضمن میں چھوٹے لوگوں کو یکثر فراموش کیا جاتا ہے۔ گویا اس شرف کے وہ قابل ہی نہیں۔ مولوی عبدالحق کو اس بات کا احساس ہے۔ آپ نے اپنی تصنیف ''چند ہم عصر'' بعض بڑی شخصیتوں کے ساتھ ایسے چھوٹے لوگوں کو بھی شامل کیا ہے جو اخلاق و عادات اور اپنی شخصیت کی بنیاد پر بلند مرتبے کے حقدار ہیں۔ نور خاں ایسی ہی ایک شخصیت ہے۔

(ب) خلاصہ

گدڑی کا لال۔۔۔ نور خاں جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ یہ مضمون نور خاں کا خاکہ ہے۔ اس خاکے میں نور خاں کا سوانحی خاکے کو مولوی عبدالحق نے اپنا موضوعِ سخن بنایا ہے۔ نور خاں ایک عام انسان ہے۔ لیکن عزت و عظمت، اخلاق و عادات، ہُنر و کمال کے لحاظ سے کسی بھی خاص انسان سے کسی درجہ کم نہیں۔ مولوی عبدالحق نے اس خاکے میں نور خاں کو گدڑی کا لال اس لیے کہا ہے کہ وہ ایک عام شخص تھا غریب گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ غریب گھرانے میں ہُنر مند شخص تھا گدڑی کے لال کے معنی بھی یہی ہوتے ہیں۔ مصنف نے مضمون کا آغاز بھی اسی انداز میں کیا ہے کہ: ''لوگ بادشاہوں اور امیروں کے قصیدے اور مرثیے لکھتے ہیں نامور اور مشہور لوگوں کے حالات قلم بند کرتے ہیں، مَیں ایک غریب سپاہی کا حال لکھتا ہوں اس خیال سے کہ شاید کوئی پڑھے اور سمجھے کہ دولت مندوں، امیروں اور بڑے لوگوں ہی کے حالات لکھنے اور پڑھنے کے قابل نہیں ہوتے بلکہ غریبوں میں بھی بہت سے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی زندگی ہمارے لئے سبق آموز ہوسکتی ہے۔''

نورخاں انگریزوں کی خاص فوج جسے کنٹنجنٹ کہا جاتا تھا، میں معمولی سپاہی تھے لیکن اس رسالے میں داخلہ حاصل کرنے والے کے اخلاق وعادات عمدہ مانے جاتے تھے کیونکہ شرافت اس میں داخلے کی پہلی شرت تھی۔اس کے علاوہ آپ کی شخصیت میں بہت سی خوبیاں تھیں۔نورخاں ہنرمنداور باکمال تھے۔خدداری آپ کی نس نس میں سمائی ہوئی تھی۔چاہے کیسی ہی مصیبت آن پڑے آپ نے اپنی خودداری کے دامن کو بچائے رکھا۔فرنگیوں کے بڑے سے بڑے افسر کے سامنے بھی آپ نے اپنے وقار کو قائم ودائم رکھا۔آپ بلا کے اُصول پرست اورفرمابردار شخص تھے۔عبدالحق نے ان کی بہت سی خوبیوں کی مثالیں دی ہیں لیکن لارڈ کرزن کی مثال خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہے۔لارڈ کرزن جیسے افسر کو آپ نے ایک خلافِ اُصول سگریٹ پینے سے روکا تھا۔ایسا افسر جس کے سامنے بذاتِ خود انگریزوں کی بھی دال نہیں گلتی تھی وہاں نورخاں جیسا معمولی افسر اپنا جلوہ دکھا سکتا ہے یہ ان کے اُصول پرستی اورایماندار کی زندہ مثال ہے۔جو بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہے۔آپ کی شخصیت ایمانداری،خودداری اوراصول پرستی کے کئی انگریز افسر بھی قائل تھے۔آپ کے گھوڑسواری پر بالا کی مہارت حاصل تھی۔کیسا ہی سرکش گھوڑا کیوں نہ ہو آپ کے قبضۂ قدرت سے باہر نہ تھا۔بغیر لگام کے بھی آپ گھوڑے کو بہ آسانی قابو کرتے تھے۔یہ آپ کی خاص خوبی تھی۔

ملازمت چھوڑنے کے بعد آپ نے کھیتی کی اور وہاں بھی اپنی ہنرمندی کے جوہر دکھائے۔نورخاں کسی بھی کام کو بڑی محنت اور دیانتداری سے انجام دیتے تھے۔اسی خصوصیت کی بناپر آپ کبھی بے روزگاری کے شکار نہیں ہوئے۔اس کے علاوہ آپ بڑے خوش اخلاق اور مہمان نواز تھے۔کیسی تنگ دستی کیوں نہ ہو۔آپ کے گھر ہمیشہ مہمانوں کا جمگھٹ رہتا۔آپ کی بیوی بھی آپ ہی کے نقشِ قدم پر چلتی تھی۔نورخاں کو مٹھا کھانے کا بہت شوق تھا۔درستر خوان پر الگ الگ کھانے چننے کا رواج ہے۔آپ دعوتوں میں درستر خوان پر چنے ہوئے کھانوں میں سے میٹھا کھانا زیادہ پسند کرتے تھے۔نورخان زندہ دل شخص تھے۔ان کے بڑھاپے پر جوانوں کو رشک آتا تھا۔ان کی زندگی بے لوث تھی۔آپ جیسے انسان بہت کم پیدا ہوتے ہیں۔آپ جیسے ہی نیک بخت اور نیک دل انسانوں ہمارے سماج کو ہمیشہ سے ضرورت رہی ہے اور رہے گی۔

خاکے کے اختتام پر مولوعبدالحق نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ :

''مجھے وہ اکثر یاد آتے ہیں اور یہی حال ان کے دوسرے جاننے والوں اور دوستوں کا ہے۔اور یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ وہ کیسا اچھا آدمی تھا۔قومیں ایسے ہی لوگوں سے بنتی ہیں۔ کاش ہم میں بہت سے نورخاں ہوتے!''

خودکو جانچنے کے لیے سوالات۔۲

سوال نمبر1:۔ مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات ایک جملے میں دیجیے۔

(۱) نورخان کا پیشہ کون سا تھا؟

جواب :۔ فوج میں سپاہی تھے۔

(۲) کس کے چہرے پر مسکراہٹ اور خوشی دیکھائی دیتی ہے؟

جواب :۔ نورخاں کے۔

(۳) ملازمت چھوڑنے کے بعد نورخاں نے کون سا پیشہ اختیار کیا؟

جواب :۔ کھیتی کرنے لگے تھے۔

(۴) نورخاں فوج میں کون سے عہدے پر فائز تھے؟

جواب :۔ سپاہی تھے۔

سوال نمبر2:۔ مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات مختصراً دیجیے۔

(۱) نورخاں کی خوبیاں بیان کیجیے؟

(۲) نورخاں نے ملازمت کے بعد کھیتی کا پیشہ کیوں اختیار کیا؟

(۳) نورخاں کے زندہ دل اور خوش مزاج انسان تھے۔واضح کیجیے۔

(۴) مولوی عبدالحق نے نورخاں سے متعلق کون سی باتیں تحریر کیں ہیں؟

(۵) نورخاں کو کن چیزوں میں مہارت حاصل تھیں؟

سوال نمبر3 :۔ مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات مفصل دیجیے۔

(۱) گدڑی کا لال خاکہ کس نے تحریر کیا؟اور کیوں؟

(۲) مولوی عبدالحق نے نورخاں کی کن خوبیوں کا اجاگر کیا ہیں؟

(۳) نورخاں کے حالات زندگی کا بیان کیجیے؟

(۴) گدڑی کا لال میں مولوی عبدالحق کس کی سوانح عمری کو پیش کیا ہے اور کیوں؟

2.2.4 (۳) خاکہ '' حالی '' (مولوی عبدالحق)

حالؔی

۱۹۳۷ء

غالباً ۱۸۹۲ء یا ۹۳ء کا ذکر ہے جب مدرستہ العلوم مسلمانان علی گڑھ میں طالب علم تھا۔ مولانا حالؔی اس زمانے میں یونین کی پاس بنگلیا میں مقیم تھے۔ میں اس سال تعطیلوں کے زمانہ میں وطن نہیں گیا تھا۔ بورڈنگ ہاؤس ہی میں رہا۔ اکثر مغرب کے بعد کچھ دیر مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ مولوی صاحب اس زمانے میں ''حیات جاوید'' کی تالیف میں مصروف تھے اور ساتھ ساتھ ''یادگارِ غالب'' کو بھی ترتیب دے رہے تھے۔ انھیں دنوں میں میرے ایک عزیز میرے ہاں مہمان تھے۔ میں جو ایک دن مولانا کے ہاں جانے لگا تو وہ بھی میرے ساتھ ہو لئے۔ کچھ دیر مولانا سے بات چیت ہوتی رہی۔ لوٹتے وقت رستے میں عزیز مہمان فرمانے لگے کہ ملنے سے اور باتوں سے تو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ وہی مولوی حالؔی ہیں جنھوں نے ''مسدس'' لکھا ہے۔ یہ مولانا کی فطری سادگی تھی جو اس خیال کا باعث ہوئی۔

ایک دوسرا واقعہ جو میری آنکھوں کے سامنے پیش آیا اور جس کا ذکر میں نے کسی دوسرے موقع پر کیا ہے۔ ۱۹۰۵ء کا ذکر ہے جب غفران مآب اعلیٰ حضرت مرحوم کو کی جوبلی بلدۂ حیدرآباد اور تمام ریاست میں بڑے جوش اور شوق سے منائی جارہی تھی۔ مولانا حالؔی بھی اس جوبلی میں سرکار کی طرف سے مدعو کئے گئے تھے اور نظام کلب کے ایک حصے میں ٹھہرائے گئے۔ زمانۂ قیام اکثر لوگ صبح سے شام تک ان سے ملنے کے لئے آتے رہتے تھے۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ ایک صاحب جو علی گڑھ کالج کے گریجویٹ اور حیدرآباد میں ایک معزز عہدے پر فرائز تھے، مولانا سے ملنے آئے، ٹم ٹم پر سوار تھے۔ زینے کے قریب اترنا چاہتے تھے۔ سائیس کی جو شامت آئی اس نے گاڑی دو قدم آگے جا کر کھڑی کی۔ یہ حضرت اس ذرا سی چوک پر آپے سے باہر آ گئے اور ساڑ ساڑ کئی ہنٹر غریب کے رسید کر دیئے۔ مولانا یہ نظارہ اوپر برآمدہ میں کھڑے دیکھ رہے تھے۔ اس کے بعد وہ کھٹ کھٹ کر کے سیڑھیوں سے اوپر چلے آئے۔ مولانا سے ملے مزاج پرسی کی اور کچھ دیر باتیں کر کے رخصت ہو گئے۔ میں دیکھ رہا تھا مولانا کا چہرہ بالکل متغیر تھا، وہ برآمدے میں ٹہلتے جاتے تھے اور کہتے تھے ''ہائے ظالم نے کیا کیا۔'' اس روز کھانا بھی اچھی طرح نہ کھا سکے، کھانے کے بعد قیلولے کی عادت تھی۔ وہ بھی نصیب نہ ہوا۔ فرماتے تھے۔ ''یہ معلوم ہوتا ہے گویا وہ ہنٹر کسی نے میری پیٹھ پر مارے ہیں۔'' اس کیفیت سے جو کرب اور درد مولانا کو تھا وہ شاید اس بدنصیب سائیس کو بھی نہ ہوا ہوگا۔

مولانا کی سیرت میں یہ دو ممتاز خصوصیتیں تھیں۔ایک سادگی اور دوسری دردِ دل۔اور یہی شان ان کے کلام میں ہے۔ان کی سیرت اور ان کا کلام ایک ہے یا یوں سمجھئے کہ ایک دوسرے کا عکس ہیں۔ مجھے اپنے زمانے کے نامور اصحاب اور اپنی قوم کے اکثر بڑے شخصوں سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے لیکن مولانا حالؔی جیسا پاک سیرت اور خصائل کا بزرگ مجھے ابھی تک کوئی نہیں ملا۔نواب عماد الملک فرمایا کرتے تھے کہ سرسید کی جماعت میں بحیثیت انسان کے مالانا حالؔی کا پایہ بہت بلند تھا،اس بات میں سرسید بھی انھیں نہیں پہنچتے تھے۔جن لوگوں نے انھیں دیکھا ہے یا جو اُن سے ملے ہیں وہ ضرور اس قول کی تصدیق کریں گے۔

خاکساری اور فروتنی خلقی تھی،اس قدر بڑے ہونے پر بھی چھوٹے بڑے سب سے جھک کر اور خلوص سے ملتے تھے جو کوئی ان سے ملنے آتا خوش ہو کر جاتا اور عمر بھر ان کے حسن اخلاق کا مداح رہتا تھا۔ان کا رُتبہ بڑا تھا مگر انھوں نے کبھی اپنے آپ کو بڑا نہ سمجھا۔بڑوں کا ادب اور چھوٹوں پر شفقت تو وہ کرتے ہی تھے لیکن بعض اوقات وہ اپنے چھوٹوں کا بھی ادب کرتے تھے۔طالب علمی کے زمانے میں ایک بار جب وہ علی گڑھ میں مقیم تھے،میں اور مولوی حمید الدین مرحوم ان سے ملنے گئے تو وہ سروقد تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے۔ہم اپنے دل میں بہت شرمندہ ہوئے۔مولوی حمید الدین نے کہا بھی کہ آپ ہمیں تعظیم دے کر محجوب کرتے ہیں۔فرمانے لگے آپ لوگوں کی تعظیم نہ کروں تو کس کی کروں،آئندہ آپ ہی قوم کے ناخدا ہونے والے ہیں۔

اس سے بڑھ کر خاکساری کا ثبوت کیا ہوگا کہ انھوں نے اپنی کتابوں پر جو اصلی معنوں میں تصنیف ہوتی تھیں ''ہمیشہ مرتبہ''' لکھا،کبھی ''مولفہ'' یا ''مصنفہ'' کا لفظ نہیں لکھا۔

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے مشہور سفیر مولوی انور احمد مرحوم کہتے تھے کہ ایک بار وہ پانی پت گئے۔جاڑوں کا زمانہ تھا۔اندھیرا ہو چکا تھا۔اسٹیشن سے سیدھا مولانا کے مکان پر پہنچے۔دالان کے پردے پڑے ہوئے تھے۔انھوں نے پردہ اٹھایا اور جھانک کر دیکھا۔مولوی صاحب فرش پر بیٹھے تھے اور سامنے آگ کی انگیٹھی رکھی تھی۔دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور اٹھ کر ملے اور اپنے پاس بٹھالیا مزاج پُرسی کے بعد کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتیں رہیں،اس کے بعد کھانا منگوایا،انور احمد کھانے کے بہت شوقین تھے۔پانی پت کی ملائی بہت مشہور تھی۔ان کے لئے ملائی منگوائی،کھانا کھانے کے بعد کچھ دیر بات چیت میں گزارا پھر ان کے لیے پلنگ بچھوا کر بستر کرا دیا اور خود آرام کرنے کے لیے اندر چلے گئے۔یہ بھی تھکے ہوئے تھے پڑ کر سو رہے۔مولوی انور احمد کہتے تھے کہ رات کے بارہ ایک بجے انھیں ایسا محسوس ہوا کہ کوئی شخص ان کی رضائی کو آہستہ آہستہ چھو رہا ہے۔انھوں نے چونک کر پوچھا کون؟ مولوی صاحب نے کہا،میں ہوں،آج سردی زیادہ ہے مجھے خیال آیا کہ شاید آپ کے پاس اوڑھنے کا سامان نہ ہو تو یہ کمبل لایا تھا اور آپ کو اوڑھا رہا تھا۔انوار احمد صاحب کہتے تھے کہ مجھ پر ان کی اس شفقت کا ایسا اثر ہوا کہ عمر بھر نہیں بھول سکتا۔ مہمان کے آنے سے (اور اکثر ایسا ہوتا تھا) وہ بہت خوش ہوتے تھے اور سچّے دل سے خاطر تواضع کرتے تھے اور اس کے خوش رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔

مولانا بہت ہی رفیق القلب تھے۔دوسروں کی تکلیف کو دیکھ کر بے چین ہو جاتے تھے اور جہاں تک اختیا میں ہوتا اس کے رفع کرنے کی کوشش کرتے تھے۔حاجت مندوں کی حاجت روا کرنے میں بڑی فراخدلی سے کام لیتے تھے۔باوجود یہ کہ ان کی آمد نی قلیل تھی لیکن اپنے پرائے خصوصاً مصیبت زدہ لوگوں کے ساتھ سلوک کرتے رہتے تھے۔سفارشیں کر کے لوگوں کے کانکالتے تھے۔اس میں بڑے چھوٹے کی کوئی تخصیص نہ تھی۔بامروّت ایسے تھے کہ انکار نہیں کر سکتے تھے۔اس قلیل آمدنی پر بھی حاجت مندان کے ہاں سے محروم نہیں جاتے تھے۔

تعصّب ان مین نام کو نہ تھا۔ہر قوم وملّت کے آدمی سے یکساں خلوص اور محبت سے پیش آتے تھے۔ہندو مسلم اتحاد کے بڑے حامی تھے۔جب کبھی ہندو مسلم نزاع کا کوئی واقع سنتے تھے انھیں بہت رنج وافسوس ہوتا تھا۔تحریر وتقریر میں تو کیا نج کی اور بے تکلفی کی گفتگو میں بھی ان کی زبان سے بھی کوئی کلمہ ایسا سننے میں نہیں آیا جو کسی فرقے کی دل آزاری کا باعث ہو بلکہ اگر کوئی ایسی بات کہتا تو برا مانتے اور نصیحت کرتے تھے۔بے تعصبی کا وصف انہی لوگوں میں پایا جاتا ہے جن کی طبیعت میں انصاف ہوتا ہے۔

ہندی اردو کا جھگڑا ان کے زمانے میں پیدا ہو چکا تھا۔اور اس نے ناگوار صورت اختیار کر لی تھی،لیکن باوجود اس کے کہ انھوں نے عمر بھر اردو کی خدمت کی اور اپنی تحریروں سے اردو کا درجہ بہت بلند کر دیا۔وہ انصاف کی بات کہنے سے کبھی نہ چوکے، 'چنانچہ' خمخانۂ جاوید'' کے تبصرے میں لکھتے ہیں:

> آج کل اہلِ ملک کی بدقسمتی سے جو اختلاف ہندو اور مسلمانوں میں اردو زبان کی مخالفت یا اس کی حمایت کی وجہ سے برپا ہے اس کی رفعداد ہو سکتی ہے تو اس طریقے سے ہو سکتی ہے تو اس طریقے سے ہو سکتی ہے کہ ہندو تعلیم یافتہ اصحاب کشادہ دلی اور فیاضی کے ساتھ اردو زبان میں جو درحقیقت برج بھاشا کی ایک ترقی یافتہ صورت اور اس کی ایک پروان چڑھی ہوئی اولاد ہے اسی طرح تصنیف وتالیف کریں جس طرح ہمارے ہر دلعزیز ہیرو نے اس طولانی تذکرے کو ختم کرنے کا ارادہ کیا ہے۔اور مسلمان مصنفین بے ضرورت اردو میں عربی فارسی کے غیر مانوس الفاظ استعمال کرنے سے جہاں تک ہو سکے پرہیز کریں اور ان کی جگہ برج بھاشا کے مانوس اور عام فہم الفاظ سے اردو کو مالا مال کرنے کی کوشش کریں اور اس طرح دونوں قوموں میں آشتی اور صلح کی بنیاد ڈالیں اور ایک متنازع فیہ زبان کو مقبولۂ فریقین بنائیں جیسی کہ لکھنؤ جانے سے پہلے تقریباً اہل دہلی کی زبان تھی۔مذکورہ بالا اختلاف کے متعلق جو تعصب اور ناگواری کا الزام ہندوؤں پر لگایا جاتا ہے اس قسم کا بلکہ اس سے زیادہ سخت الزام مسلمانوں پر لگایا جا سکتا ہے۔کون نہیں جانتا کہ مسلمان باجود یکہ تقریباً ہزار برس سے ہندوستان میں آباد ہیں مگر اس طویل مدّت میں انھوں نے چند مستثنیات کو چھوڑ کر کبھی سنسکرت

یا برج بھاشا کی طرف باوجود سخت ضرورت کے آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا جس سنسکرت کو یورپ کے محقق لاطینی ویونانی سے زیادہ فصیح، زیادہ وسیع اور زیادہ باقاعدہ بتاتے ہیں اور جس کی تحقیقات میں عمریں بسر کر دیتے ہیں۔ مسلمانوں نے عام طور پر کبھی اس کو قابل التفات نہیں سمجھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ سنسکرت کا سیکھنا کوئی آسان کام نہیں ہے تو برج بھاشا جو بمقابلۂ سنسکرت کے نہایت سہل الوصول ہے اور جس کی شاعری نہایت لطیف، شگفتہ اور فصاحت و بلاغت سے لبریز ہے اسکو بھی عموماً بیگانہ وار نظروں سے دیکھتے رہے حالانکہ جو اُردو ان کو اس قدر عزیز ہے اس کی گریمر کا دارمدار بالکل بر بھاشا یا سنسکرت کی گیریمر پر ہے۔ عربی فارسی سے اس کو اس قدر تعلق ہے کہ دونوں زبانوں کے اسما، اس میں کثرت کے ساتھ شامل ہو گئے ہیں۔ باقی تمام اجزائے کلام جن کے بغیر کسی زبان کی نظم و نثر مفید معنی نہیں ہو سکتی، برج بھاشا یا سنسکرت کی گریمر سے ماخوذ ہیں۔ سچ یہ ہے کہ مسلمانوں کا ہندوستان میں رہنا اور سنسکرت یا کم سے کم برج بھاشا سے بے پروا یا متنفر ہونا بالکل اپنے تئیں اس مثل کا مصداق بنانا ہے کہ ''دریا میں رہنا اور مگر مچھ سے بیر۔''

یہ بات بعض لوگوں کو بہت ناگوار گزری اور بعض اردو اخباروں نے اس کی تردید بھی چھاپی لیکن جو سچی بات تھی وہ کہہ گرزے، اس خیال کا اظہار انھوں نے کئی جگہ کیا ہے جو شخص اردو کا ادیب اور محقق ہونا چاہتا ہے۔ اسے سنسکرت یا کم سے کم ہندی بھاشا کا جاننا ضروری ہے۔ ''مقدمۂ شعر و شاعری'' میں ایک مقام پر فرماتے ہیں۔''

> ''اردو پر قدرت حاصل کرنے کے لیے صرف دلی یا لکھنو کی زبان کا تتبع ہی کافی نہیں ہے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ عربی فارسی سے کم متوسط درجے کی لیاقت کی بنیاد اور نیز ہندی بھاشا میں فی الجملہ دسگاہ بہم پہنچائی جائے۔ اُردو زبان کی بنیاد جیسا کہ معلوم ہے ہندی بھاشا پر رکھی گئی ہے۔ اس کے تمام افعال اور تمام حروف اور غالب حصّہ اسماء کا ہندی سے ماخوذ ہے اور اردو شاعری کی بنا فارسی شاعری پر جو عربی سے مستفاد ہے قائم ہوئی ہے، نیز اردو زبان میں بڑا حصّہ اسماء کا عربی اور فارسی سے ماخوذ ہے۔ پس اردو زبان کا شاعر جو ہندی بھاشا کو مطلق نہیں جانتا اور محض عربی و فارسی کے تان گاڑی چلایا ہے وہ گویا اپنی گاڑی بغیر پہیوں کے منزل مقصود تک پہنچانی چاہتا ہے۔ اور جو عربی و فارسی سے نابلد ہے اور صرف ہندی بھاشا یا محض مادری زبان کے بھروسہ پر اس کا متحمل ہوتا ہے وہ ایسی گاڑی ٹھیلتا ہے جس میں بیل جوتے گئے۔''

ایک بار جب اردو لغت کی ترتیب کا ذکر اُن سے آیا تو فرمانے لگے کی اُردو لغات میں ہندی کے وہ الفاظ جو عام بول چال میں آتے ہیں یا جو ہماری زبان میں کھپ سکتے ہیں بلا تکلف کثرت سے داخل کرنے چاہئیں۔خود اپنی نظم ونثر میں وہ ہندی الفاظ ایسی خوبصورتی سے لکھ جاتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ گویا اسی موقع کے لئے وضع ہوئے تھے۔انھوں نے بہت سے ایسے الفاظ اردو ادب میں داخل کئے جو ہماری نظروں سے اوجھل تھے اور جن کا آج تک کسی ادیب یا شاعر نے تو کیا ہندی ادیبوں اور شاعروں نے بھی استعمال نہیں کیا تھا،لفظ کا صحیح اور برمحل استعمال جس سے کلام میں جان پڑ جائے اور لفظ خود بول اٹھے کہ لکھنے والے کے دل میں کیا چیز کھٹک رہی ہے۔ادیب کا بڑا کمال ہے اور ایہ کوئی حالؔی سے سیکھے دلوں میں گھر کر لینے کے جو گُر ادب میں ہیں۔ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔

''نام ونمود چھوڑ کر نہیں گیا تھا۔ورنہ شہرت وہ بد بلا ہے کہ جہاں یہ آتی ہے کچھ نہ کچھ شیخی آ ہی جاتی ہے،ہمارے شاعروں میں تو تعلیؔ عیب ہی نہیں رہی، بلکہ شیوہ ہوگئی ہے۔وہ سیدھی سادی باتیں کرتے تھے اور جیسا کہ عام طور پر دستور ہے باتوں باتوں میں شعر پڑھنا، بحث کر کے اپنی فضیلت جتانا اور اشارے کنائے میں دوسروں کی تحقیر اور در پردہ اپنی بڑائی دکھانا ان میں بالکل نہ تھا ۔ہاں شعر میں البتہ کہیں کہیں تعلیؔ آ گئی ہے،مگر وہ بھی ایسے لطف پیرائے میں کہ خاکساری کا پہلو وہاں بھی ہاتھ سے جانے نہیں پایا۔ مثلاً۔

گرچہ حالؔی اگلے استادوں کے آگے ہیچ ہے
کاش ہوتے ملک میں ایسے ہی اب دو چار ہیچ

یا

مال ہے نایاب پر گاہک ہیں اس سے بے خبر
شہر میں کھولی ہے حالؔی نے دکاں سب سے الگ

ان کا ذوق شعر اعلیٰ درجہ کا تھا جیسا کہ ''حیات سعدی''،''یادگارِ غالب'' اور ''مقدمہ شعروشاعری'' سے ظاہر ہے۔ لیکن وہ خوامخواہ اس کی نمائش نہیں کرنا چاہتے تھے۔ہاں جب کوئی پوچھتا یا اتفاق سے بات آپڑتی تو وہ کھل کر اس کے نکات بیان کرتے تھے۔

ہمارے ہاں یہ دستور سا ہوگیا ہے کہ جب کبھی کوئی کسی شاعر سے ملتا ہے تو اس سے اپنا کلام سنانے کی فرمائش کرتا ہے شاعر تو شاعر سے اس لئے فرمائش کرتا کہ اسے بھی اپنا کلام سنانے کا شوق گدا گداتا ہے اور جانتا ہے کہ اس کے بعد مخاطب بھی اس سے یہی فرمائش کرے گا اور بعض اوقات تو اس کی بھی ضرورت نہیں پڑتی بغیر فرمائش ہی اپنے کلام سے محفوظ فرمانے لگتے ہیں۔

دوسرے لوگ اس لئے فرمائش کرتے ہیں کہ شاعران سے اس کی توقع رکھتا ہے (بعض شاعرتو اس کے لیے بے چین رہتے ہیں۔ لیکن بعض لوگ سچے دل سے اس بات کے آرزومند ہوتے ہیں کہ کسی شاعر کا کلام اس کی زبان سے سنیں۔لوگ مولانا حالؔی سے بھی فرمائش کرتے تھے، وہ کسی ن کسی طرح ٹال جاتے تھے اور اکثر یہ عذر کردیتے تھے کہ میرا حافظہ بہت کمزور ہے۔اپنا لکھا بھی یاد نہیں رہتا۔ یہ محض عذر لنگ ہی نہ تھا اس میں کچھ حقیقت بھی تھی۔لیکن اصل بات یہ تھی کہ وہ خودنمائی سے بہت بچتے تھے۔

جن دنوں مولانا حالؔی کا قیام حیدرآباد میں تھا ایک دن گرامی مرحوم نے چائے کی دعوت کی۔ چند اور احباب کو بھی بلایا، چائے وغیرہ کے بعد جیسا کہ معمول ہے فرمائش ہوئی کہ کچھ اپنا کلام سنایئے۔مولانا نے وہی حافظہ کا عذر کیا ہر چند لوگوں نے کہا کہ جو کچھ بھی ہو یاد وہ فرمائے مگر مولانا عذر ہی کرتے رہے۔اتنے میں ایک صاحب کو خوب سوجھی، وہ چپکے سے اٹھے اور کہیں سے دیوانِ حالؔی لے آئے اور لا کے سامنے رکھ دیا۔اب مجبور ہوئے ک کوئی عذر نہیں چل سکتا تھا آخر انھوں نے یہ غزل سنائی جس کا مطلع تھا :

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں
اب ٹھہرتی ہے دیکھئے جا کر نظر کہاں

آج کل تو ہمارے اکثر شاعر لئے سے یا خاص طور سے گا کے پڑھتے ہیں۔ان کا ذکر نہیں لیکن جو تحت اللفظ پڑھتے ہیں، ان میں بعض طرح طرح سے چشم وابرو، ہاتھ، گردن اور جسم سے کام لیتے اور بعض اوقات ایسی صورتیں بناتے ہیں کہ بے اختیار ہنسی آجاتی ہے۔مولانا سیدھے سادے طور سے پڑھتے تھے۔البتہ موقع کے لحاظ سے اس طرح ادا کرتے کہ اس سے اثر پیدا ہوتا تھا۔ ایک بار علی گڑھ کالج میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا سالانہ جلسہ تھا۔مولانا کا مزاج کچھ علیل تھا۔انھوں نے اپنی نظم پڑھنے کے لئے مولوی وحیدالدین سلیؔم صاحب کو دی جو بہت بلند آواز مقرر، پڑھنے میں کمال رکھتے تھے۔سلیم صاحب ایک ہی بند پڑھنے پائے تھے کہ مولانا سے نہ رہا گیا۔نظم ان کے ہاتھ سے لے لی اور خود پڑھنی شروع کی۔ذرا سی دیر میں ساری مجلس میں کہرام مچ گیا۔

سرسید تو اس زمانے میں خیر مورد لعن وطعن تھے ہی اور ہر کس وناکس ان پر منہ آتا تھا۔لیکن اس کے بعد جس پر سب سے زیادہ اعتراضات کی بوچھار پڑی وہ حالؔی تھے۔ایک تو ہر وہ شخص جس کا تعلق سید احمد خاں سے تھا، یوں ہی مردود سمجھا جاتا تھا، اس پر ان کی شاعری جو عام نگ سے جدا تھی اور نشانۂ ملامت بن گئی تھی اور ''مقدمۂ شعروشاعری'' نے تو خاصی آگ لگادی۔اہل لکھنؤ اس معاملے میں چھوئی موئی سے کم نہیں، وہ معمولی سی تنقید کے بھی روادار نہیں ہوتے۔انھیں یہ وہم ہوگیا تھا کہ یہ ساری کارروائی انھیں کی مخالفت میں کی گئی ہے۔پھر کیا تھا ہر طرف سے نکتہ چینی اور طعن وتعریض کی صدا آنے لگی۔''اودھ پنچ'' میں ایک طویل سلسلۂ

مضامین ''مقدمہ'' کے خلاف مدت تک نکلتا رہا جو ادبی تنقید کا عجیب وغریب نمونہ تھا۔ وہ صرف بے تکے اور مہمل اعتراضات ہی کا مجموعہ نہ تھا بلکہ پھکڑ اور پھبتیوں تک بو بت پہنچ گئی تھی، جن مضامین کے عنوان۔

ابتر ہمارے حملوں سے حالؔی کا حال ہے
میدانِ پانی پت کی طرح پائمال ہے

تو اس سے سمجھ لیجئے کہ اس عنوان کے تحت کیا کچھ خرافات نہ بکی گئی ہوگی، مولانا یہ سب کچھ سہتے رہے لیکن کبھی ایک لفظ زبان سے نہ نکالا۔

کیا پوچھتے ہو کیوں کر سب نکتہ چیں ہوئے چپ
سب کچھ کہا انہوں نے پر ہم نے دم نہ مارا

لیکن آخر ایک وقت آیا کہ نکتہ چینوں کی زبانیں بند ہوگئیں اور وہی لوگ جو انھیں شاعر تک نہیں سمجھتے تھے، ان کی تقلید کرنے لگے۔

غل تو بہت یاروں نے مچایا پر گئے اکثر مان ہمیں

مخالفت سہنے کا ان میں عجیب وغریب مادہ تھا۔ کیسا ہی اختلاف ہو وہ صبر کے ساتھ رہتے تھے۔ جواب دیتے تھے لیکن حجّت نہیں کرتے تھے۔ بعض اوقات نامعقول اور کٹ حجّتی پر غصّہ آیا تھا لیکن ضبط سے کا لیتے تھے۔ ضبط اور اعتدال ان کے بہت بڑے اوصاف تھے اور یہ دو خوبیاں ان کے کلام میں بھی کامل طور پر پائی جاتی ہیں۔ یہ ادیب کا بڑا کمال ہے۔ یہ بات صرف اساتذہ کے کلام میں پائی جاتی ہے۔ ورنہ جوش میں آکر آدمی سر رشتۂ اعتدال کھو بیٹھتا ہے اور بہک کر کہیں کا کہیں نکل جاتا ہے اور بجائے کچھ کہنے کے چخنے چلاّنے لگتا ہے۔

ان کا ایک نواسہ تھا۔ ماں اس کی بیوہ تھی اور اس کا ایک ہی لڑکا تھا۔ اکلوتا لڑکا بڑا لاڈلا ہوتا ہے۔ اس پر ایک آفت یہ تھی کہ صرع کی بیماری میں مبتلا تھا اس لئے ہر طرح اس کی خاطر اور رضا جوئی منظور تھی۔ وہ مولانا کو بہت دِق کرتا مگر وہ اُف تک نہ کرتے۔ وہ اینڈے بینڈے سوالات کرتا۔ یہ بڑے تحمل سے جواب دیتے۔ وہ فضول فرمائشیں کرتا۔ یہ اس کی تعمیل کرتے۔ وہ خفا ہوتا اور بگڑتا، یہ اس کی دلدہی کرتے۔ وہ روٹھ جاتا یہ اسے مناتے۔ وہ لڑ کر گھر سے بھاگ جاتا یہ اسے ڈھونڈتے پھرتے۔ پانی پت سے کہیں باہر جاتے تو وہ انہیں دھمکی آمیز خط لکھتا۔ یہ شفقت آمیز خط لکھتے اور سمجھاتے بجھاتے۔ کچھ اس کی دُکھیا ماں کا پاس، وہ سب سے زیادہ اس پر شفقت فرماتے اور اس کی ہٹ، خفگی، روٹھنے مچلنے کو سہتے اور کبھی آزردگی یا بیزاری کا اظہار نہ کرتے۔ اگرچہ جوان ہوگیا تھا مگر مزاج اس کا بچوں کا تھا۔ سلیم مرحوم فرماتے تھے کہ ایک بار اس نے مولانا کو ایسا دھمکایا کہ وہ گر پڑے۔ کہیں خواجہ سجاد

حسین صاحب نے دیکھ لیا۔ وہ بہت برہم ہوئے اور شاید اس کے ایک تھپڑ مار دیا۔ مولوی صاحب اس پر سخت ناراض ہوئے اور خواجہ صاحب سے بات چیت موقوف کر دی اور جب تک انھوں نے اس لڑکے سے معافی نہیں مانگ لی، ان سے صاف نہ ہوئے۔

مولانا نے دنیاوی جاہ و مال کی کبھی ہوس نہیں کی۔ جس حالت پر تھے اس پر قانع تھے اور خوشی خوشی زندگی بسر کرتے اور اس میں اوروں کی بھی مدد کرتے رہتے تھے۔ ان کی قناعت کا ثبوت اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ انہیں عربک اسکول میں ساٹھ روپیہ ماہانہ تنخواہ ملتی تھی۔ جب حیدرآباد میں ان کے وظیفے کی کارروائی ہوئی تو انھوں نے ساٹھ سے زیادہ طلب نہ کئے جس کے تخمیناً پچھتر حالی ہوتے ہیں۔ ایک مدت تک پچھتر ہی ملتے رہے۔ بعد پچیس کا اضافہ ہوا۔ ریاست حیدرآباد سے معمولی آدمیوں کو بیش قرار وظیفے ملتے ہیں، وہ چاہتے تو کچھ مشکل نہ تھا، مگر انھوں نے کبھی زیادہ کی ہوس نہ کی اور جو ملتا تھا وہ اس کے لئے بہت شکر گذار تھے۔

غالباً سوائے ایک آدھ کے انھوں نے کبھی اپنی کسی کتاب کی رجسٹر نہ کرائی جس نے چاہا چھاپ لی۔ ان کی تصانیف مال یغما تھیں۔ مسدس تو اتنا چھپا کہ شاید ہی کوئی کتاب چھپی ہو۔ یہ کیسی سیر چشمی اور عالی ظرفی کی بات ہے۔ خصوصاً ایسے شخص کے لئے جس کی آمدنی محدود اور بڑھتی ہوئی ضرورتوں سے کم ہو۔

مروّت کے پُتلے تھے۔ جب تک خاص مجبوری نہ ہو، کسی کی درخواست رد نہیں کرتے تھے۔ وقت بے وقت لوگ آجاتے اور فضول باتوں میں وقت ضائع کرتے وہ بیٹھے سنا کرتے لیکن محض دل آزاری کے خیال سے یہ نہ ہوتا کہ خود آٹھ کر چلے جاتے یا کنایتاً اشارۃً کوئی ایسی بات کہتے کہ لوگ اٹھ جاتے۔ حیدرآباد کے قیام میں مَیں نے اس کا خوب تماشا دیکھا۔

اسی طرح طبیعت میں حیا بھی تھی، جس سال حیدرآباد تشریف لائے، سرسید کی برسی کا جلسہ بھی انہیں کی موجودگی میں ہوا۔ ان سے خاص طور سے درخواست کی گئی کہ اس جلسے کے لئے سرسید کی زندگی پر کوئی مضمون پڑھیں، نواب عماد الملک بہادر صدر تھے۔ مولانا نے اس موقع کے لئے بہت اچھا مضمون لکھا تھا۔ مضمون ذرا طویل تھا۔ پڑھتے پڑھتے شام ہوگئی اس لئے آخری حصہ چھوڑ دیا۔ قیام گاہ پر واپس آکر فرمانے لگے میرا گلا بالکل خشک ہوگیا تھا اور حلق میں کانٹے پڑ گئے تھے، اچھا ہوا جو اندھیرا ہوگیا ورنہ اس سے آگے ایک حرف نہ پڑھا جاتا۔ میں نے کہا وہاں پانی شربت وغیرہ کا سب انتظام تھا، آپ نے کیونہ فرمایا' اسی وقت پانی یا شربت حاضر کر دیا جاتا۔ کہنے لگے اتنے بڑے مجمع میں پانی مانگتے ہوئے شرم معلوم ہوئی۔

جب کسی ہونہار تعلیم یافتہ نوجوان کو دیکھتے تو بہت خوش ہوتے اور حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ قدر دانی کا یہ حال تھا کہ جہاں کوئی اچھی تحریر نظر سے گزرتی تو اس کی فوراً داد دیتے اور خط لکھ کر لکھنے والے کی ہمّت بڑھاتے تھے۔ ''پیسہ'' اخبار جب روزانہ ہوا تو سب سے پہلے مولانا نے مبارک باد کا تار دیا۔ مولوی ظفر علی خاں کی کارگزاریوں سے خوش ہو کر ان کی تعریف میں نظم لکھی ''ہمدرد''

اور مولانا محمد علی کی مدح سرائی کی اور جب کبھی کوئی ایسی بات دیکھتے جو قابلِ اعتراض ہوتی تو بڑی ہمدردی اور شفقت سے سمجھاتے اور اس کا دوسرا پہلو سمجھاتے۔ان کے خطوں میں ایسے بہت سے اشارے پائے جاتے ہیں۔ان کے بعض ہمعصر اس بات سے ناراض ہوتے تھے کہ مولانا داد دینے اور تعریف کرنے میں بڑی فیاضی برتتے ہیں جس سے لوگوں کا دماغ پھر جاتا ہے۔ممکن ہے یہ صحیح ہو لیکن اس کا دوسرا پہلو بھی تو ہے،ان کی ذرا سی داد سے کتنا دل بڑھ جاتا تھا اور آئندہ کام کرنے کا حوصلہ ہوتا تھا۔

ہم عصروں اور ہم چشموں کی رقابت پرانی چیز ہے اور ہمیشہ سے چلی آرہی ہے جہاں تک مجھے ان سے گفتگو کرنے کا موقع ملا اور بعض وقت چھیڑ چھیڑ کر اور کُرید کُرید کر دیکھا اور ان کی تحریروں کے پڑھنے کا اتفاق ہوا۔مولانا اس عیب سے بری معلوم ہوتے ہیں۔محمد حسین آزاد اور مولانا شبلی کی کتابوں پر کیسے اچھے تبصرے لکھے ہیں اور جو باتیں قابل تعریف ہیں ان کی دل کھول کر داد دی ہے مگر ان بزرگوں میں سے کسی نے مولانا کی کسی کتاب کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔آزاد مرحوم ان کا نام تک سننے کے روادار نہ تھے۔اس معاملے میں ان کی طبیعت کا رنگ بعینہ ایسا تھا جیسے کسی سوت کا ہوتا ہے۔لاہور میں کرنل ہالرائڈ کی زیر ہدایت جو جدید رنگ کے مشاعرے ہوئے ان میں دونوں نے طبع آزمائی کی ''برکھارُت''،''حُبِ وطن''،'' نشاطِ امید''اسی زمانے کی نظمیں ہیں۔ مولانا کی ان نظموں کی جو تعریف ہوئی تو یہ امر حضرت آزاد کی طبعِ نازک پر گراں گزرا،اس وقت سے ان کا رُخ ایسا پھرا کہ آخر دم تک یہ پھانس نہ نکلی۔آزاد اپنے رنگ کے بے مثال نثار ہیں۔مگر شعر کے کوچہ میں ان کا قدم نہیں اٹھتا لیکن مولانا کی انصاف پسندی ملاحظہ کیجئے کیسے صاف لفظوں میں اس نئی تحریک کا سہرا آزاد کے سر باندھتے ہیں۔

''۱۸۷۴ء میں جب کہ راقم پنجاب گورنمنٹ بک ڈپو سے متعلق اور لاہور میں مقیم تھا
مولوی محمد حسین آزاد کی تحریک اور کرنل ہالرائڈ ڈاکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب کی تائید انجمن
پنجاب نے ایک مشاعرہ قائم کیا تھا جو ہر مہینے ایک بار انجمن کے مکان میں منعقد ہوتا تھا۔''

بات میں بات نکل آتی ہے جب ''حیاتِ جاوید'' شائع ہوئی تو مولانا نے تین نسخے مجھے بھیجے تھے۔ایک میرے لئے،ایک مولوی عزیز مرزا کے لئے اور تیسرا ایک محترم بزرگ اور ادیب جو اس وقت اتفاق سے حیدرآباد میں وارد تھے۔میں نے لے جا کر یہ کتاب ان کی خدمت میں پیش کی۔شکر یہ تو رہا ایک طرف دیکھتے ہی فرمایا کہ یہ کذب وافتراء کا آئینہ ہے۔''وہاں اور بھی کئی صاحب موجود تھے۔مَیں یہ سن کر دم بخود رہ گیا یوں بھی کچھ کہنا سوءِ ادب تھا لیکن جہاں پڑھنے سے پہلے ایسی رائے کا اظہار کر دیا ہو وہاں زبان سے کچھ نکالنا بے کار تھا۔

اب اس کے مقابلے میں ایک واقعہ سنیے۔قیام حیدرآباد میں ایک روز مولوی ظفر علی خاں مولانا سے ملنے آئے۔اس زمانے میں وہ ''دکن ریویو'' نکالتے تھے۔کچھ عرصے پہلے اس رسالے میں ایک دو مضمون مولانا شبلی کی کسی کتاب یا رسالے پر شائع

ہوئے تھے۔ان میں کسی قدر بے جا شوخی سے کام لیا گیا تھا۔مولانا نے اس کے متعلق ظفر علی خاں سے ایسے شفقت آمیز پیرائے میں نصیحت کرنی شروع کی کہ ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا،اور سر جھکائے آنکھیں نیچی کئے چپ چاپ سنا کئے۔مولانا نے یہ فرمایا کہ میں تنقید سے منع نہیں کرتا۔تنقید بہت اچھی چیز ہے اور اگر آپ لوگ تنقید نہ کریں تو ہماری اصلاح کیونکر ہوگی لیکن تنقید میں ذاتیات سے بحث کرنا یا ہنسی اڑانا منصب تنقید کے خلاف ہے۔

خود مولانا پر بہت سی تنقیدیں لکھی گئیں اور نکتہ چینیاں کی گئیں لیکن انھوں نے کبھی اس کا بُرا نہ مانا۔مولانا حسرتؔ موہانی کا واقعہ جو مجھ سے مولوی سلیم مرحوم نے بیان فرمایا اور اب شیخ اسمٰعیل صاحب نے اپنے مضمون میں لکھا ہے بہت ہی پُر لطف ہے۔

۱۹۰۳ء میں جب مولوی فضل الحسن صاحب حسرتؔ موہانی نے علی گڑھ سے ''اردوئے معلیٰ'' جاری کیا تو جدید شاعری کے اس مجدّد اعظم پر بھی اعتراضات کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع کیا۔مولانا کے پاس اگرچہ ''اردوئے معلیٰ'' باقاعدہ پہنچتا تھا مگر نہ آپ نے کبھی اعتراضات کا جواب دیا اور نہ مخالفت پر ناراضگی کا اظہار فرمایا۔

علی گڑھ کالج میں کوئی عظیم الشان تقریب تھی۔نواب محسن الملک مرحوم کے اصرار پر مولانا حالیؔ بھی اس میں شرکت کی غرض سے تشریف لائے۔اور حسبِ معمول سید زین العابدین مرحوم کے مکان پر فروکش ہوئے۔ایک صبح حسرتؔ موہانی دوستوں کو ساتھ لئے ہوئے مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔چندے ادھر اُدھر کی باتیں ہوا کیں اتنے میں سید صاحب موصوف نے بھی اپنے کمرے سے حسرتؔ کو دیکھا۔ان مرحوم میں لڑکپن کی شوخی اب تک باقی تھی۔اپنے کتب خانے میں گئے اور ''اردوئے معلیٰ'' کے دو تین پرچے اٹھا لائے۔

حسرتؔ اور ان کے دوستوں کا ماتھا ٹھنکا کہ اب خیر نہیں اور اٹھ کر جانے پر آمادہ ہوئے مگر زین العابدین کب جانے دیتے تھے۔خود پاس بیٹھ گئے۔ایک پرچہ کے ورق الٹنا شروع کئے اور مولانا حالیؔ کو مخاطب کر کے حسرتؔ اور ''اردوئے معلیٰ'' کی تعریفوں کے پل باندھ دئے۔کسی مضموں کی دو چار سطریں پڑھتے اور واہ! خوب لکھا کہہ کر داد دیتے تھے،حالیؔ بھی ہوں ہاں سے تائید کرتے جاتے تھے۔مگر حسرتؔ کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

اتنے میں سید صاحب مصنوعی حیرت بلکہ وحشت کا اظہار کر کے بولے۔''اے مولانا! یہ دیکھئے،آپ کی نسبت کیا لکھا ہے؟ اور کچھ اس قسم کے الفاظ شروع کئے'' سچ تو یہ ہے کہ حالیؔ سے بڑھ کر مخرب زبان کوئی ہو نہیں سکتا اور وہ جتنی جلد اپنے قلم کو اردو کی خدمت سے روکیں اتنا ہی اچھا ہے''۔

فرشتہ منش حالیؔ ذرا مکدّر نہیں ہوئے اور مسکرا کر کہا تو یہ کہا کہ نکتہ چینی اصلاح زبان کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔اور یہ عیب میں داخل نہیں۔''

کئی روز بعد ایک دوست نے حسرتؔ سے پوچھا کہ ''حالیؔ کے خلاف اب بھی کچھ لکھو گے؟'' جواب دیا کہ ''جو کچھ لکھ چکا ہوں اسی کا ملال اب تک دل پر ہے۔'' (رسالہ زمانہ ماہِ دسمبر ۱۹۰۸ء جلد ۱۱ نمبر ۶ صفحہ ۲۹۸ تا ۲۹۹) (ماخوذ از تذکرۂ حالی صفحہ ۱۹۵ تا ۱۹۸)

مولانا حالی انگریزی مطلق نہیں جانتے تھے، ایک آدھ بار سیکھنے کا ارادہ کیا، نہ ہوسکا۔ لیکن حیرت یہ ہے کہ مغربی تعلیم و تہذیب کے منشا کو جیسا کہ وہ سمجھتے تھے۔ اس وقت بہت سے انگریز تعلیم یافتہ بھی نہیں سمجھتے تھے۔ ان کا کلام اور ان کی تصانیف اس کی شاہد ہیں۔ اور جو یہ سمجھتے تھے وہ کر کے دکھایا آج سینکڑوں تعلیم یافتہ موجود ہیں لیکن ان میں سے کتنے ہیں جنھوں نے اس کا عشر عشیر بھی کیا ہو پھر یہی نہیں کہ ہمارے شاعروں اور مصنفوں کی طرح بالکل خیالی شخص تھے بلکہ جو کہتے اور سمجھتے تھے اس پر عامل بھی تھے۔ آدمی مفکر بھی ہو اور عملی بھی، ایسا شاذ ہوتا ہے۔ تاہم مولانا نے اپنی بساط کے موافق عملی میدان میں بھی اپنی دو یادگاریں چھوڑی ہیں۔ ایک تو انھوں نے اپنے وطن پانی پت میں مدرسہ قائم کیا جو اب حالیؔ مسلم ہائی اسکول کے نام سے موسوم ہے اور ایک پبلک اورینٹل لائبریری قائم کی جو پانی پت میں سب سے بلند اور پُر فضا مقام پر واقع ہے۔ اس میں کتابوں کا ایک اچھا خاصا ذخیرہ ہے جس سے پانی پت والے مستفید ہوتے۔

مولانا کمزوروں اور بے کسوں کے بڑے حامی تھے۔ خاص کر عورتوں کی جو ہمارے ہاں سب سے بے کس فرقہ ہے، انھوں نے ہمیشہ حمایت کی ''مناجات بیوہ'' اور ''چپ کی داد'' یہ دو ایسی نظمیں ہیں جن کی نظیر ہماری زبان میں کیا ہندوستان کی کسی زبان میں نہیں۔ ان نظموں کے ایک ایک مصرع سے خلوص، جوش ہمدردی اور اثر ٹپکتا ہے یہ نظمیں نہیں بلکہ دل و جگر کی ٹکڑے ہیں لکھنا تو بڑی بات ہے، کوئی انھیں بے چشم نم پڑھ بھی نہیں سکتا۔

جن لوگوں نے صرف ان کا کلام پڑھا ہے شاید وہ سمجھتے ہوں گے کہ مولانا ہر وقت روتے اور بسورتے رہتے ہوں گے۔ اس میں شک نہیں کہ ان کا دل درد سے لبریز تھا اور ذرا سی ٹھیس سے چھلک اٹھتا تھا، مگر وہ بڑے شگفتہ مزاج اور خوش طبع تھے۔ خصوصاً اپنے ہم صحبت یاروں میں بڑی ظرافت اور شوخی سے باتیں کرتے تھے۔ ان کے کلام میں بھی کہیں کہیں ظرافت اور زیادہ تر طنز کی جھلک نظر آتی ہے۔

جدید تعلیم کے بڑے حامی تھے اور اس کی اشاعت اور تلقین میں مقدور بھر کوشش کرتے رہے لیکن آخر عمر میں ہمارے کالجوں کے طلباء کو دیکھ کر انھیں کسی قدر مایوسی ہونے لگی تھی۔ مجھے خوب یاد ہے کہ جب ان کے نام حیدرآباد میں ایک روز ''اولڈ بوائے'' آیا تو اسے پڑھ کر بہت افسوس کرنے لگے کہ اس میں سوائے مسخرا پن کے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ انھیں علی گڑھ کے طلبا سے اس سے اعلیٰ توقع تھی۔

ان کی بڑی خواہش تھی کی اردو زبان میں اعلیٰ درجہ کے ناول خصوصاً ڈرامے لکھے جائیں اور اس بات پر افسوس کرتے تھے کہ یورپین زبانوں سے بہترین ناولوں اور ڈراموں کا اردو میں ترجمہ نہیں کیا گیا۔ تاکہ وہ نمونے کا کام دیں۔ یہ گفتگو انھوں نے کچھ اس ڈھنگ سے کی جس سے مترشح ہوتا تھا کہ ان کا جی چاہتا تھا کہ خود کوئی ڈرامہ لکھیں لیکن اسٹیج سے واقف نہ ہونے اور کوئی عمدہ نمونہ سامنے نہ ہونے سے مجبور ہیں۔

آخر میں ان کی دو بڑی تمنائیں تھیں۔ ایک تو اردو زبان میں تذکیر و تانیث کے اصول منضبط کرنا اور ایک کوئی اور بات تھی جو اس وقت میرے ذہن سے بالکل نکل گئی ہے۔ جب میرا تقرر اورنگ آباد پر ہوا تھا تو میں نے مولانا کی خدمت میں لکھا کہ یہاں کی ہوا بہت معتدل اور خوش گوار ہے۔ پانی بہت لطیف ہے، اور خصوصاً جس مقام پر میں رہتا ہوں وہ بہت ہی پُر فضا ہے۔ آپ کچھ دنوں کے لیے یہاں تشریف لے آئیں، صحت کو بھی فائدہ ہوگا اور جو کام آپ کرنا چاہتے ہیں وہ بھی آسانی سے انجام پا جائے گا۔ کوئی مخلِ اوقات بھی نہ ہوگا اور یقین ہے کہ آپ یہاں آ کر بہت خوش ہوں گے۔ وہ آنے کے لیے بالکل آمادہ تھے مگر ان کے فرزند خواجہ سجاد حسین صاحب اور دوسرے عزیز و اقارب رضامند نہ تھے۔ عذر یہ تھا کہ دور دراز کا سفر ہے، ضعیفی کا عالم ہے۔ طبیعت یوں بھی ناساز رہتی ہے، ایسی حالت میں اتنی دور کا سفر خلافِ مصلحت ہے۔ مولانا نے یہ سب کیفیت مجھے لکھ بھیجی اور ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیا کہ جب تم ادھر آؤ تو دو ایک روز کے لیے پانی پت بھی چلے آنا، اس وقت میں تمہارے ساتھ ہو لوں گا، پھر کوئی چوں و چرا نہیں کرے گا۔ جب میں گیا تو وہ بیمار ہو چکے تھے اور بیماری نے اتنا طول کھینچا کہ جان لے کر گئی۔

مرحوم ہماری قدیم تہذیب کا بے مثل نمونہ تھے۔ شرافت اور نیک نفسی ان پر ختم تھی۔ چہرے سے شرافت، ہمدردی اور شفقت ٹپکتی تھی اور دل کو ان کی کشش ہوتی تھی۔ ان کے پاس بیٹھنے سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی چیز ہم پر اثر کر رہی ہے۔ درگزر کا یہ عالم تھا کہ کوئی ان سے کیسی بد معاملگی اور بدسلوکی کیوں نہ کرے۔ ان کے تعلقات میں کبھی فرق نہ آتا۔ جب ملتے تو اسی شفقت و عنایت سے پیش آتے اور کیا مجال کہ اس کی بدسلوکی اور بد معاملگی کا ذکر زبان پر آنے پائے۔ اسی سے نہیں کسی دوسرے سے بھی کبھی ذکر نہ آتا۔ اس سے بڑھ کر کیا تعلیم ہوگی۔ ایسے لوگ جن سے ہر شخص حذر کرتا جب ان سے ملتے تو ان کے حسن سلوک اور محبت کا کلمہ پڑھتے ہوئے جاتے تھے۔ پرلے درجے کے نکتہ چین جو دوسروں کی عیب گیری کیے بغیر مانتے ہی نہیں ان کے ڈنک یہاں آ کر گر جاتے تھے۔ اخلاق اگر سیکھنے کی چیز ہے تو وہ ایسے ہی پاک نفس بزرگوں کی صحبت میں آ سکتے ہیں۔ ورنہ یوں دنیا میں پند و نصائح کی کوئی کمی نہیں، دفتر کے دفتر بھرے پڑے ہیں۔ کیسا ہی برا زمانہ کیوں نہ ہو دنیا کبھی اچھوں سے خالی نہیں ہوتی۔ اب بھی بہت سے صاحب علم و فضل، باکمال ذی وجاہت، نیک سیرت اور نیک دل لوگ موجود ہیں مگر افسوس کہ کوئی حالیؔ نہیں۔

(الف) خلاصہ

مولانا الطاف حسین حالؔی اُردو کی قد اور شخصیت تھے۔اُردو ادب کا مطالعہ حالؔی کے مطالعے کے بغیر ادھورا ہے۔مولوی عبدالحق کو حالؔی کی صحبت میں رہنے اور ان کی شخصیت کو پرکھنے کا موقع ملا۔اس خاکے میں عبدالحق نے حالؔی کے اخلاق و عادات کو بڑے موثر انداز میں بیان کیا ہے۔حالؔی کی شخصیت کے بہت سے پوشیدہ خوبیاں بیان کی ہیں۔مندرجہ ذیل نکات کی روشنی میں عبدالحق کا تحریر کردہ خاکہ ''حالؔی'' کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے ملاحظہ فرمایں:

(۱) دردِدل

انسانی ہمدردی سے حالؔی کا دل معمور تھا۔۱۹۰۵ء حیدرآباد میں نظام حیدآباد مرحوم کا جوبلی بڑے اہتمام سے منائی جارہی تھی حالؔی اس میں مدعوں تھے۔علی گڑھ کالج کے ایک سابق طالبِ علم جو حیدآباد میں ایک نہایت معزز عہدے پر فائز تھے ان سے ملنے ٹمٹم میں آئے۔وہ زینے کے قریب اترنا چاہتے تھے مگر سائیس نے غلطی سے ٹمٹم تھوڑی روکی۔اس بات سے خفا ہوکر ان صاحب نے سائیس کو کئی ہنٹر مارے حالؔی نہ نظارہ اوپر سے برآمدے میں کھڑے دیکھ رہے تھے۔اس بات کا اُن کے دل پر بہت گہرا اثر ہوا۔وہ بے چین و بے قرار رہے۔اور بار بار کہتے تھے:''ہائے ظالم نے کیا کیا''۔اس دن انھوں نے کھانا بھی ٹھیک سے نہیں کھایا اور دوپہر میں آرام بھی نہیں کیا۔حالؔی کہتے تھے:''یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ ہنٹر کسی نے میری پیٹھ پر مارے ہیں۔''

(۲) خاکساری

حالؔی قد اور شخصیت ہونے کے باوجود ان میں خاکساری وانکسار تھی۔وہ اپنے سے چھوٹوں سے بھی بڑے ادب احترام اور خلوص سے ملتے تھے۔سب سے جھک کر ملتے تھے۔بڑوں کا ادب اور چھوٹوں سے شفقت کرتے تھے بلکہ بعض اوقات وہ اپنے سے چھوٹوں کا ادب کرتے تھے۔ایک مرتبہ مصنف اور وحیدالدین ان سے ملنے گئے تو حالؔی نے وحیدالدین سے شفقت وادب سے ملاقات کی وہ دل ہی دل میں شرمندہ ہوے کہ اس قدر بڑا آدمی ان سے ادب سے پیش آرہا ہے۔ان سے رہا نہ گیا انھوں نے حالؔی سے کہا:''آپ ہمیں تعظیم دے کر محجوب کرتے ہیں۔''تو حالؔی نے جواب دیا:''آپ کی تعظیم نہ کروں تو کس کی کروں،آئندہ آپ ہی تو قوم کے ناخدا ہونے والے ہیں۔''

(۳) مہمان نوازی

حالؔی بڑے مہمان نواز تھے۔ان کے گھر اگر کوئی مہمان آتا تو وہ بہت خوش ہوتے اور دل کھول کر مہمان نوازی کرتے

تھے۔ایک مرتبہ آل انڈیا مسلم ایجوکشنل کانفرنس کے مشہور سفیر مولوی انوار احمد حالؔی کے مکان پر آئے رات کا وقت تھا سردی بہت تھی ۔حالؔی نے خندہ پیشانی سے ان کا استقبال کیا۔ان کے لیے کھانے کا اہتمام کیا۔انوار احمد کھانے کے شوقین تھے اس لیے حالؔی نے ان کے پانی پت کی مشہور مٹھائی ''ملائی'' ان کے لیے منگوائی۔جب انوار احمد سو گئے تو آدھی رات کو حالؔی کمبل لے کر آئے اور انھیں اُڑھا کر چلے گئے تا کہ وہ سردی سے محفوظ رہیں۔اس واقع کا اثر انوار احمد پر زندگی قائم رہا۔

(۴) رقیق القلبی

حالؔی رقیق القلب تھے دوسروں کی تکلیف کو دیکھ کر بے چین ہوتے تھے۔حاجت مندوں حاجت روائی بڑی فراخ دلی سے کرتے تھے۔ان کی آمدنی کم ہونے کے باوجود وہ ہمیشہ دوسروں کی مدد کرتے تھے۔وہ بامروت تھے کسی کو کسی چیز کے لیے انکار نہیں کر سکتے تھے۔اس لیے کسی حاجت مند ان کو خالی ہاتھ نہیں لوٹاتے تھے۔

(۵) قومی یکجہتی کا جذبہ

حالؔی قومی یکجہتی کے علمبردار تھے۔ہندو مسلم اتحاد کے بہت بڑے حامی تھے۔جب کبھی انہیں ہندو مسلم میں تنازعے کی خبر ملتی تو وہ بہت دکھی ہوتے اور بہت افسوس کرتے تھے۔ان کی گفتگو اور تقریر میں کبھی کسی فرقے کی دلآزاری نہیں کرتے تھے۔ اگر کوئی ان کے سامنے کسی فرقے کی دلآزاری کرتا تو وہ اسے نصیحت کرتے تھے۔

(۶) اُردو ہندی کے جھگڑے کے متعلق حالؔی کے خیالات

اُردو اور ہندی کا جھگڑا ان کے زمانے میں شروع ہوا تھا اور وہ شدت اختیار کر رہا تھا۔حالؔی چاہتے تھے کہ یہ تصادم ختم ہو اس لیے انھوں نے ہندی اور اردو کے ادیبوں کو ہدایت دی کہ دونو انتہا پسندی سے باز آئیں۔چنانچہ انھوں نے ایک کتاب ''خمخانۂ جاوید'' کے تبصرے میں لکھا:''ہندو تعلیم یافتہ اصحاب کشادہ دلی اور فیاضی کے ساتھ اُردو زبان میں جو درحقیقت برج بھاشا کی ایک ترقی یافتہ صورت اور اس کی ایک پروان چڑھی ہوئی اولاد ہے اسی طرح تصنیف و تالیف کریں جس طرح ہمارے ہر دلعزیز ہیرو نے اس طولانی تذکرے کو ختم کرنے کا ارادہ کیا ہے۔اور مسلمان مصنفین بے ضرورت اُردو میں عربی فارسی کے غیر مانوس الفاظ استعمال کرنے سے جہاں تک ہو سکے پرہیز کریں اور ان کی جگہ برج بھاشا کے مانوس اور عام فہم الفاظ سے اُردو کو مالا مال کرنے کی کوشش کریں اور اس طرح دونوں قوموں میں آشتی اور صلح کی بنیاد ڈالیں''۔

(۷) شہرت پسندی سے دوری

شہرت بُری بلا ہے۔شہرت پسندی انسان میں خود پسندی اور تکبر پیدا کرتی ہے۔حالؔی اس سے کوسوں دور تھے۔عبدالحق لکھتے ہیں:''وہ سیدھی سادی باتیں کرتے تھے اور جیسا کہ عام طور پر دستور ہے باتوں باتوں میں شعر پڑھنا، بحث کر کے اپنی فضیلت جتانا اور اشارے کنائے میں دوسروں کی تحقیر اور در پردہ اپنی بڑائی دکھانا ان میں بالکل نہ تھا''۔عبدالحق لکھتے ہیں :البتہ کچھ اشعار میں تعلّی آئی ہے مگر اُس میں بھی خاکساری موجود ہے۔مثلاً:

گرچہ حالؔی اگلے استادوں کے آگے ہیچ ہے
کاش ہوتے ملک میں ایسے ہی اب دو چار ہیچ

مال ہے نایاب پر گاہک ہیں اس سے بے خبر
شہر میں کھولی ہے حالؔی نے دکاں سب سے الگ

(۸) کلام سنانے میں تامل

عام طور پر شاعروں کو اپنا کلام سنانے کا بہت شوق ہوتا ہے۔وہ کسی کسی طرح اپنا کلام سنانے کی فراق میں رہتے ہیں لیکن حالؔی میں یہ وبا نہ تھی۔عبدالحق لکھتے ہیں:''لوگ مولانا حالؔی سے بھی فرمائش کرتے تھے، وہ کسی نہ کسی طرح ٹال جاتے تھے اور اکثر یہ عذر کر دیتے تھے کہ میرا حافظہ بہت کمزور ہے اپنا لکھا بھی یاد نہیں رہتا۔یہ محض عذر لنگ ہی نہ تھا اس میں کچھ حقیقت بھی تھی لیکن اصل بات یہ تھی کہ وہ خودنمائی سے بہت بچتے تھے'' حیدرآباد کے قیام کے دوران گرامی صاحب نے چائے کے بعد حالؔی سے کلام سنانے کی فرمائش کی لیکن حسب معمول انھوں نے حافظہ کمزور ہونے کا عذر کیا لیکن ایک ساتھی نے کہیں سے دیوانِ حالی لا کر رکھ دی تو اس میں سے آپ نے یہ غزل سنائی۔

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں
اب ٹھہرتی ہے دیکھئے جا کر نظر کہاں

(۹) حالی پر تنقیدیں

مولانا الطاف حسین حالؔی سرسیّد احمد خان کے زبردست حامی تھے۔لیکن اس زمانے میں سرسیّد پر بہت اعتراضات کیے جاتے تھے اور جو سرسیّد کے حامی تھے انہیں مردود سمجھا جاتا تھا اس لیے سرسیّد کے بعد سب سے زیادہ تنقیدیں حالؔی پر ہی کی گئی۔حالؔی

پر تنقید کرنے کی دوسری وجہ ان کی اصلاحی شاعری اوران کی کتاب ''مقدمۂ شعروشاعری'' بھی تھی۔اہل لکھنوں اس وجہ سے ان پر سخت تنقید کرتے تھے۔''اودھ پنچ'' اخبار میں حالؔی کی مخالفت میں مضامین لکھے جاتے تھے جس میں تنقید کے نام پر پھبتیاں کسی جاتی تھی جس میں پھکڑ پن ہوتا تھا۔ایسے مضامین کا عنوان:

اب تر ہمارے حملوں سے حالؔی کا حال ہے

میدانِ پانی پت کی طرح پائمال ہے

اس عنوان سے ہی پتہ چلتا ہے کہ ان کے نقادان پر کس قسم کی تنقید کرتے تھے۔لیکن حالؔی ضبط اوراعتدال سے کام لیتے تھے ۔یہی ان کی سب سے بڑی صفت تھی۔

(۱۰) نواسے کا واقعہ

مولانا حالؔی کا ایک نواسا تھا۔صرع کی بیماری میں مبتلا تھا۔گرچہ وہ جوان تھا مگر اس کا مزاج بچوں کا تھا۔اس کے والد کا انتقال ہوگیا تھا۔وہ حالی کے پاس رہتا تھا۔دماغی کمزوری کی وجہ سے چڑچڑا اور بدمزاج تھا۔وہ حالؔی کو بہت ستاتا تھا۔طرح طرح سے پریشان کرتا تھا۔لیکن حالؔی اس کی ہر خطا کو درگزر کرتے تھے۔اس سے نہایت شفقت سے پیش آتے تھے۔اس کے لیے بہت تکلیفیں اٹھاتے مگر اسے اُف تک نہ کہتے تھے۔اس نے ایک بار حالؔی کو ایسا دھمکایا کہ وہ گر پڑے۔خواجہ سجّاد حسین نے یہ منظر دیکھا اوراس کا ایک تھپڑ مارا۔حالی خواجہ صاحب سے ناراض ہوے اوران سے بات چیت بند کی اور جب تک خواجہ صاحب نے اس لڑکے سے معافی نہ مانگی تب تک ان سے ناراض رہے۔

(۱۱) قناعت پسندی

حالؔی کو دنیاوی دولت کی چاہت نہ تھی وہ قناعت پسند تھے۔انہیں عربک اسکول سے ساٹھ روپیہ ماہانہ تنخواہ ملتی تھی اسی میں گذارا کرتے تھے۔جب انہیں حیدرآباد سے وظیفہ ملنے والا تھا تو انھوں نے ساٹھ روپیے سے زیادہ طلب نہ کیا حالانکہ وہ چاہتے تو بہت کچھ مل سکتا تھا۔مولانا حالؔی نے اپنی ایک آدھ کتاب کے سوا دوسری کتاب کی رجسٹری نہیں کروائی۔جو چاہتا ان کی کتاب چھاپتا اور خوب روپیہ کماتا لیکن انہوں نے کسی سے کوئی طلب نہ کی۔ان کی کتاب ''مسدسِ حالؔی'' تو اُردو میں شائع ہونے والی کتابوں میں سب سے زیادہ چھپی لیکن انھوں نے پبلشر سے روپیہ طلب نہیں کیا۔یہ ان کی قناعت کا عمدہ مثال ہے۔

(۱۲) مروت

عبدالحق لکھتے ہیں ہیں کہ:''حالؔی مروت کے پُتلے تھے'' وہ کسی کی کوئی درخوات رد نہیں کرتے تھے۔لوگ وقت بے وقت ان کے پاس آتے ان سے فضول کی باتیں کر کے ان کا وقت ضائع کرتے مگر وہ ان کی دل آزاری نہیں کرتے اور نا ہی کوئی بہانا بنا کر ملاقات منقطع کرتے۔

(۱۳) حیا

عبدالحق لکھتے ہیں کہ حالؔی کی طبیعت میں حیا بھی تھی۔اس کی وضاحت میں انہوں نے ایک واقعہ لکھا ہے۔کہ جس سال حالؔی حیدرآباد تشریف لائے تو اس وقت سرسید کی برسی کا جلسہ منعقد کیا گیا تھا۔اس جلسے میں حالؔی خصوصی طور پر سرسیّد کے متعلق مضمون پڑھنے کے لیے بلائے گئے تھے۔ان کا مضمون کافی طویل تھا۔پڑھتے پڑھتے شام ہوگئی اور انہیں مضمون ادھورا چھوڑنا پڑا ۔جلسہ ختم ہونے کے بعد قیام گاہ پر واپس آکر فرمانے لگے کہ میرا گلا بالکل خشک ہوگیا تھا اور حلق میں کانٹے پڑ گئے تھے۔اچھا ہوا جو اندھیرا ہوگیا ورنہ اس سے آگے ایک حرف نہ پڑھا جاتا۔یہ سن کر عبدالحق نے کہا وہاں پانی اور شربت کا انتظام تھا۔آپ نے کیوں نہیں مانگا تو حالؔی نے کہا کہ:''اتنے بڑے مجمع میں پانی مانگتے ہوئے شرم معلوم ہوئی''۔

(۱۴) حوصلہ افزائی

حالؔی ہونہار اور تعلیم یافتہ نوجوانوں کی دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے اور ان کی دل کھول کر حوصلہ افزائی کرتے تھے۔حوصلہ افزائی کرنے میں وہ پیش پیش رہتے تھے۔اس زمانے میں''پیسہ'' نامی اخبار روزنامہ ہوا تو سب سے پہلے حالؔی نے مدیر کو تار بھیج کر مبارکباد دی۔حالؔی نے مولانا ظفر علی خان کی کارگزاریوں سے خوش ہو کر ان کی تعریف میں''ہمدرد''عنوان سے نظم لکھی۔حالؔی داد دینے اور تعریف کرنے میں بڑی فیاضی برتتے تھے۔اس سے نئے کام کرنے والوں کی حوصلہ بڑھتا تھا۔

(۱۵) مولانا حسرت موہانی کی تنقید

مولانا حسرتؔ موہانی نے علی گڑھ سے ۱۹۰۳ء میں''اُردوئے معلیٰ'' جاری کیا تھا۔اس پرچے میں وہ مولانا حالؔی پر سخت تنقید کرتے تھے۔علی گڑھ میں ایک دن سید زین العابدین کے مکان پر حسرتؔ مولانا حالؔی سے ملنے آئے۔ادھر اُدھر کی باتیں ہوئیں۔زین العابدین نے''اُردوئے معلیٰ'' کے دو تین پرچے لائے اور حسرتؔ کے سامنے پڑھنے لگے۔ایک پرچے میں حسرتؔ نے حالی کے متعلق سخت جملے لکھے تھے۔انھوں نے لکھا تھا کہ:''سچ تو یہ ہے کہ حالؔی سے بڑھ کر مخرب زبان کوئی ہو نہیں سکتا اور وہ

جتنی جلد اپنے قلم کو اُردو کی خدمت سے روکیں اتنا ہی اچھا ہے''۔حالؔی نے یہ سن کر مسکرائے اور کہا کہ:''نکتہ چینی اصلاحِ زبان کا ایک بہترین ذریعہ ہے اور یہ عیب میں داخل نہیں''۔اس بات کا حسرت پر کافی اثر ہوا اور انھوں نے حالؔی پر بے جا تنقید کرنا چھوڑ دیا۔

(۱۶) حالؔی کی دو یادگاریں

حالؔی نے علمی و ادبی کارناموں کے علاوہ دو اہم سماجی کام کیے ان کا تذکرہ عبدالحق نے اسطرح کیا ہے۔''آدمی مفکر بھی ہو اور عملی بھی، ایسی شاذ ہوتا ہے۔تاہم مولانا نے اپنی بساط کے موافق عملی میدان میں بھی اپنی دو یادگاریں چھوڑی ہیں۔ایک تو انھوں نے اپنے وطن پانی پت میں درسہ قائم کیا جو اب''حالؔی مسلم ہائی اسکول'' کے نام سے موسوم ہے اور ایک''پبلک اورینٹل لائبریری'' قائم کی جو پانی پت میں سب سے بلند اور پُر فضا موام پر واقع ہے۔اس میں کتابوں کا ایک اچھا خاصا ذخیرہ ہے جس سے پانی پت والے مستفید ہوتے ہیں''۔

(۱۷) بے کسوں کی حمایت

حالؔی کمزوروں اور بے کسوں کے حامی تھے۔خصوصاً عورتوں کی بے بسی اور بے کسی ان سے دیکھی نہ جاتی تھی ان کی حمایت میں انھوں نے ''مناجات بیوہ'' اور چُپ کی داد'' دو ایسی نظمیں لکھیں جن کی مثال اُردو میں تو کیا ہندوستان کی دوسری زبانوں میں نہیں ملتی۔ان نظموں کی اثر آفرینی کے متعلق عبدالحق نے لکھا ہے:''یہ نظمیں نہیں دل و جگر کے ٹکڑے ہیں۔(ایسی نظمیں) لکھنا تو بڑی بات ہے۔کوئی انھیں بے چشم نم پڑھ بھی نہیں سکتا''۔

(۱۸) اُردو میں ناول اور ڈراما کے فروغ کی خواہش

حالؔی کی خواہش تھی کہ اُردو زبان میں اعلیٰ درجے کے ناول اور خصوصاً ڈرامے لکھے جائیں۔لیکن انہیں اس بات کا افسوس تھا کہ ان کے سامنے یورپین زبانوں کے اچھے ناولوں اور ڈراموں کے اُردو ترجمے موجود نہ تھے جس کے مطالعے سے انھیں مدد مل سکے۔اگر ایسی کوئی کتاب انھیں ملتی تو وہ اس سے مدد لے کر اُردو میں بھی ناول اور ڈرامے لکھتے۔

خاکے کے اختتام میں مولوی عبدالحق لکھتے ہیں: ''مرحوم ہماری قدیم تہذیب کا بے مثال نمونہ تھے۔شرافت اور نیک نفسی ان پر ختم تھی۔چہرے سے شرافت اور ہمدردی ٹپکتی تھی اور دل کو ان کی طرف کشش ہوتی تھی۔ان کے پاس بیٹھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ کوئی چیز ہم پر اثر کر رہی ہے۔''

''اخلاق اگر سیکھنے کی چیز ہے تو ایسے ہی پاک نفس بزرگوں کی صحبت میں آسکتے ہیں۔ ورنہ یوں دُنیا میں پند ونصائح کی کوئی کمی نہیں۔ دفتر کے دفتر بھرے پڑے ہیں۔ کیسا ہی برا زمانہ کیوں نہ ہو دنیا کبھی اچھوں سے خالی نہیں ہوتی۔ اب بہت سے صاحبِ علم وفضل باکمال، ذی وجاہت، نیک سیرت اور نیک دل لوگ موجود ہیں مگر افسوس کہ کوئی حالؔی نہیں۔''

خودآموزی کے لیے سوالات۔۳

سوال نمبر1:۔ مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات ایک جملے میں دیجیے۔

(۱) ۹۳۔۱۸۹۲ء میں عبدالحق کس مدرسے میں تعلیم حاصل کررہے تھے؟

جواب:۔ مدرستہ العلوم۔

(۲) عبدالحق کے طالبِ علمی کے زمانے میں حالؔی کونسی کتاب لکھ رہے تھے؟

جواب:۔ حیاتِ جاوید۔

(۳) سرسید کی جماعت میں بحیثیت انسان مولانا حالؔی کا پایہ بہت بلند تھا؟

جواب:۔ نواب عمادالملک۔

(۴) آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سفیر کون تھے؟

جواب:۔ مولوی انوار احمد۔

(۵) کس تصنیف کے تبصرے میں حالؔی نے ہندی اُردو کے جھگڑے کے متعلق اپنی رائے دی ہے؟

جواب:۔ خمخانۂ جاوید

(۶) حالؔی اُردو کو کس زبان کی ترقی یافتہ شکل تصور کرتے تھے؟

جواب:۔ برج بھاشہ

(۷) بقول حالؔی: کسملک کے محقق سنسکرت کو لاطینی اور یونانی سے زیادہ فصیح، زیادہ وسیع قرار دیتے تھے؟

جواب:۔ یورپ۔

(۸) محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ جلسہ میں حالؔی نے اپنی نظم پڑھنے کے لئے کس کو دی؟
جواب:۔ وحیدالدین سلیم۔

(۹) مولانا حالؔی کے کتنے نواسے تھے؟

جواب:۔ ایک۔

(۱۰) حالؔی کے نواسے کو حالؔی سے بدسلوکی کرنے کے عوض میں کس نے تھپڑ مارا؟

جواب:۔خواجہ سجاد حسین۔

(۱۱) حالؔی کا نواسہ کس بیماری میں مبتلا تھا؟

جواب:۔ صرع۔

(۱۲) حالؔی کو عربک اسکول سے کتنی تنخواہ ملتی تھی؟

جواب:۔ساٹھ روپیے۔

(۱۳) حالؔی کو کس ریاست سے وظیفہ ملتا تھا؟

جواب:۔ حیدآباد۔

(۱۴) مولوی ظفر علی کی کارگزاریوں سے خوش ہوکر حالؔی نے کونسی نظم لکھی؟

سوال نمبر 2:۔ مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات مختصراً دیجیے۔

(۱) سائیس کا واقعہ بیان کیجیے۔

(۲) حالؔی کی خاکساری کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیجیے۔

(۳) حالؔی کی مہمان نوازی پر مختصر نوٹ لکھیے۔

(۴) ہندو مسلم اتحاد کے متعلق حالؔی کا کیا نظریہ تھا؟

(۵) اُردو اور ہندی کے جھگڑے کے متعلق حالؔی کا کیا نظریہ تھا؟

(۶) حالؔی نے نواسے کے متعلق مختصر نوٹ لکھیے۔

(۷) سخت تنقید کرنے کے باوجود حالؔی کا حسرتؔ موہانی کے متعلق کیا رویہ تھا؟

(۸) حالؔی اور عبدالحق کے تعلقات کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

(۹) حالؔی کی ان ادبی خواہشات کے متعلق لکھیے جو پوری نہ ہوسکی۔

(۱۰) حالؔی نوجوان ادیبوں کی حوصلہ افزائی کس طرح کرتے تھے؟

سوال نمبر3 :۔ مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات مفصل دیجیے۔

(۱) خاکہ ''حالی'' کا خلاصہ لکھیے۔

(۲) مولوی عبدالحق کا تعارف لکھتے ہوئے خاکہ ''حالؔی'' کا اجمالی جائزہ لیجیے۔

(۳) حالؔی کی صفات ہمدردی، خاکساری، مہمان نوازی اور رقیق القلبی کے متعلق مفصل نوٹ لکھیے۔

(۴) ہندو مسلم اتحاد اور اُردو ہندی کے جھگڑے کے متعلق حالؔی کے نظریات کا تفصیلی جائزہ لیجیے۔

(۵) حالؔی کی صفات قناعت، مروت، حوصلہ افزائی اور حسن سلوک کے متعلق مفصل نوٹ لکھیے۔

2.3 خودآموزی کے لیے سوالات

سوال نمبر1:۔ مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات ایک جملے میں دیجیے۔

(۱) نام دیو مالی کس کے باغ کا مالی تھا؟

(۲) نام دیو مالی کی خوبیاں کس نے اپنے خاکہ میں پیش کی؟

(۳) حالی یہ خاکہ کس نے تحریر کیا؟

(۴) حالی کی زندگی کس صنف سخن میں پیش کیا گیا؟

(۵) گدڑی کا لال یہ خاکہ کس نے تحریر کیا؟

(۶) ۱۸۷۴ء میں حالؔی کہاں مقیم تھے؟

(۷) اخبار ''دکن ریویو'' کون نکالتے تھے؟

(۸) مولانا حسرت موہانی کونسا اخبار نکالتے تھے؟

سوال نمبر2:۔مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات مختصراً دیجیے۔

(۱) مولوی عبدالحق کا خاکہ ''نام دیو مالی'' شخصیت پر نوٹ لکھیے؟

(۲) نام دیو مالی پودوں کو کس طرح سنوارتا تھا؟

(۳) نور خاں نے ملازمت کے بعد کون سا پیشہ اختیار کیا اور کیوں؟

(۴) نور خاں کو کن چیزوں میں مہارت حاصل تھی؟

(۵) خاکہ ''حالی'' اہمیت بیان کیجیے؟

سوال نمبر3 :۔ مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات مفصل دیجیے۔

(۱) خاکہ'' نام دیومالی'' کا مقام متعین کیجیے؟

(۲) مولوی عبدالحق کا تحریر کردہ خاکہ''گدڑی کا لال'' سے ہمیں کون سی باتیں سیکھنے کو ملتی ہیں؟ واضح کیجیے۔

(۳) نورخاں کی شخصیت پر روشنی ڈالیے؟

(۴) اردو ادب میں حالی کا مقام متعین کیجیے؟

(۵) خاکہ نگاری کسے کہتے ہیں؟ واضح کیجیے۔

(۶) مولوی عبدالحق بحیثیت خاکہ نگار واضح کیجیے؟

2.4 خلاصہ

مولوی عبدالحق اردو کے بہت ہی مشہور و معارف محقیق ہوگذرے ہیں۔انھوں نے کئی تصانیف اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔جن میں ہم نے ان کے اہم خاکہ ''نام دیومالی'' پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔اس خاکہ میں مولوی عبدالحق نے درانی کے مقبرے کے باغ کا نقشہ کھینچا ہے۔ساتھ ہی اس میں کام کرنے والا شخص ''نام دیومالی'' کی باغ کے پودوں کے محبت،اس کی رکھوالی، اور مالی کی خوبیاں کے علاوہ اور کئی باتوں کا ذکر مولوی عبدلاحق نے اپنے اس خاکہ میں پیش کیے ہیں۔

''گدڑی کا لال'' نورخان کے خاکہ نگار مولوی عبدالحق ہیں۔یہ نورخان کا خاکہ ہے۔یہ خاکہ نگاری کا بہترین نمونہ ہے۔ اس میں سوانح اور خاکے اکثر اعلیٰ لوگوں کے لکھے جاتے ہیں لیکن ذاتی خوبیاں اور نیکیوں پر صرف بڑے لوگوں کی اجارداری نہیں ہوتی، یہ ہر طبقے کے لوگوں میں پائی جاتی ہے۔گدڑی کا لال خاکہ نورخاں کے نام سے ظاہر ہے کہ یہ مضمون نورخاں کا خاکہ ہے۔ اس خاکے میں نورخاں کا سوانحی خاکے کو مولوی عبدالحق نے اپنا موضوعِ سخن بنایا ہے۔نورخاں ایک عام انسان ہے۔لیکن عزت وعظمت،اخلاق وعادات،ہُنر وکمال کے لحاظ سے کسی بھی خاص انسان سے کسی درجہ کم نہیں ہے۔مولوی عبدالحق نے اس کی خوبیاں اور دیگر باتوں کو بڑی ہی خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا ہے۔جس کا ذکر ہم نے اوپر بڑی تفصیل کے ساتھ کر دیا ہے۔

''حالی'' اس خاکے میں عبدالحق نے حالؔی کے اخلاق وعادات کو بڑے موثر انداز میں بیان کیا ہے۔حالؔی کی شخصیت کے بہت سے پوشیدہ خوبیاں تفصیل کے ساتھ اس خاکہ میں بیان کی گئی ہیں۔

2.5 مشقی سوالات

سوال نمبر1:۔ مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات ایک جملے میں دیجیے۔

(۱) مولوی عبدالحق کے باغ سے متعلق کون سا خاکہ پیش کیا؟

(۲) گدڑی کا لال خاکہ کی اہمیت بیان کیجیے؟

(۳) مولوی عبدالحق کا خاکہ'' حالی '' یعنی کون؟

(۴) نورخاں کس شعبہ میں ملازمت کرتے تھے؟

(۵) حالی نے کون سا رسالہ نکالا تھا؟

(۶) حالی کی کوئی ایک کتاب کا بتائے؟

سوال نمبر2:۔ مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات مختصراً دیجیے۔

(۱) نام دیومالی کے کاموں کا جائزہ لیجیے؟

(۲) نام دیومالی کا پودوں سے لگاو کس طرح کا تھا؟

(۳) نورخاں کی شخصیت پر نوٹ لکھیے؟

(۴) حالی کی زندگی پر روشنی ڈالیے؟

(۵) خاکہ ''حالی'' کی اہمیت بیان کیجیے؟

(۶) سرسید احمد خان کی قومی یکجہتی سے متعلق کارناموں کا جائزہ لیجیے؟

سوال نمبر3 :۔ مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات مفصل دیجیے۔

(۱) نام دیومالی خاکہ کی خصوصیات بیان کیجیے؟

(۲) نام دیومالی بحیثیت باغ کا مالی تھا واضح کیجیے؟

(۳) گدڑی کا لال خاکہ کا خلاصہ بیان کیجیے؟

(۴) گدڑی کا لال خاکہ میں نورخاں کے اوصاف مفصل بیان کیجیے؟

(۵) حالی کی تعلیم سے متعلق جدوجہد پر روشنی ڈالیے؟

(۶) حالی اور ان کے رفقاء کی ادبی خدمات کا جائزہ لیجیے؟

2.6 الفاظ ومعنی

الفاظ	معنی
مدرسہ	جہاں تعلیم حاصل کی جاتی ہے۔
خاکہ	جس میں کسی شخص کی پوری زندگی کی خوبیوں کی عکاسی کی گئی ہے۔
باغ	گارڈن
رفقاء	ساتھ میں رہنے والے
مالی	پودوں کو پالن پوسن کرنے والا۔

2.7 حوالہ جات کتب

(۱) اردو خاکہ نگاری	محمد حسین آزاد
(۲) اردو میں خاکہ نگاری	نثار احمد فاروقی
(۳) خاکہ نگاری کا فن اور چند ہم عصر	سید حامید حسین
(۴) خاکہ نگاری کا فن اور چند اہم عنصر	سید حامد حیسین
(۵) اردو ادب میں خاکہ نگاری	صابرہ سعیدہ

باب 03 :۔ اردو کے منتخب خاکے

فہرست

3.0 مقاصد
3.1 تمہید
3.2 موضوع کی وضاحت
3.2.1 مصنف ''رشید احمد صدیقی'' کا تعارف
3.2.2 خاک ''سر محمد اقبال مرحوم''
3.2.3 مصنف ''قاضی عبدالغفار'' کا تعارف
3.2.4 خاکہ ''حکیم اجمل خاں''
3.3 خود آموزی کے لیے سوالات
3.4 خلاصہ
3.5 مشقی سوالات
3.6 الفاظ و معنی
3.7 حوالہ جات کتب

3.0 مقاصد

اس باب کے مطالعہ کے بعد طلباء۔۔۔

- اردو خاکہ ''سر محمد اقبال مرحوم'' کا خلاصہ بیان کرسکیں گے۔
- علامہ قبال کے اوصاف بیان کرسکیں گے۔
- خاکہ ''حکیم اجمل خاں'' کا خاکہ بیان کرسکیں گے۔
- حکیم اجمل خاں کے اخلاق وادات سے واقف ہوسکیں گے۔
- حکیم اجمل خان کی تعلیمی، سیاسی، سماجی اور ادبی خدمات کا جائزہ لے سکیں گے۔

3.1 تمہید

اس اکائی میں خاکہ نگار رشید احمد صدیقی کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔جس میں ان کے حالات زندگی، ان کی ادبی خدمات اور تعلیم کے سلسلے میں طلباء کو آگاہ کیا گیا ہے۔ساتھ ہی رشید احمد صدیقی کا خاکہ ''سر محمد اقبال'' بھی پیش کیا گیا ہے۔ جسے بڑی ہی تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔اس کے علاوہ اردو کے منتخب خاکہ نگاروں میں سے ایک اور خاکہ نگار اور ان کا خاکہ ''حکیم اجمل خان اور خاکہ نگار قاضی عبدالغفار کے حالات زندگی اور ان کی ادبی خدمات کا ذکر بھی ذکر کیا گیا ہے۔

3.2 موضوع کی وضاحت

3.2.1 مصنف ''رشید احمد صدیقی'' کا تعارف

رشید احمد صدیقی اُردو کے معروف طنز و مزاح نگار، انشا پرداز، خاکہ نگار اور تنقید نگار گزرے ہیں۔آپ ۱۸۹۵ء میں جونپور کے ایک قصبے ''مڑیاہوں'' میں پیدا ہوئے۔آپ کی ابتدائی تعلیم اُس زمانے کے عام رواج کے مطابق گھر پر ہی عربی اور فارسی سے ہوئی۔رسمی تعلیم کے لیے انھیں جونپور کے اسکول میں داخل کیا گیا۔یہاں انھوں نے بورڈنگ میں رہ کر تعلیم پائی۔ثانوی تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ نے کچہری میں نقل نویسی کی ملازمت اختیار کی۔۱۹۱۵ء میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے علی گڑھ تشریف لائے اور محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میں داخلہ لیا۔طالبِ علمی کے زمانے سے ہی آپ نے مزاحیہ مضامین لکھنے کے ابتداء کی۔قائین نے اسی زمانے میں آپ کے مضامین مقبول ہونے لگے اور آپ کے قارئین کا ایک حلقہ بننا شروع ہوا۔

ایم۔او۔ائے۔کالج میں رشید احمد صدیقی کا تقرر اُردو کے لکچرر کی حیثیت سے ۱۹۲۱ء میں ہوا۔اس کالج میں آپ نے طویل تدریس خدمات انجام دی۔بعد میں یہی کالج علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں منتقل ہوا۔آپ ۱۹۳۴ء سے ۱۹۵۷ء تک شعبۂ اُردو کے صدر رہے۔ اس کے بعد مرکزی وزاتِ تعلیم کی ایک اسکیم کے ڈائرکٹر نامزد ہوئے۔ حکومتِ ہند نے آپ کی ادبی خدمات کے پیشِ نظر ''پدم شری'' کے ایواڑ سے نوازا۔۱۹۷۷ء میں وفات پائی۔آلِ احمد سرور نے آپ کے متعلق بجا فرمایا ہے کہ:''رشید احمد صدیقی موجودہ دور کے سب سے بڑے مزاح نگار ہیں۔''

کئی تصانیف آپ کی یادگار ہیں ان میں ''خنداں''، ''گنج ہائے گراں مایہ''، ''ہم نفسان رفتہ، ذاکر صاحب، ''مضامینِ رشید'' قابلِ ذکر ہیں۔

3.2.2 خاکہ '' سر محمد اقبال مرحوم ''

خاکہ ''سر اقبال مرحوم'' (خاکہ نگار۔رشید احمد صدیقی)

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہووہ شبنم

دریاوں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

بڑی گرمی پڑ رہی تھی دور دراز کے سفر سے واپس آرہا تھا علی گڑھ اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر اترا ہی تھا کہ ایک عزیز نے کہا'' ڈاکٹر اقبال کا انتقال ہوگیا۔تھوڑی دیر کے لیے بہت تھوڑی دیر کے لیے کچھ ایسا معلوم ہوا کہ جیسے پلیٹ فا رم کی ہر چیز موجود تو ہے لیکن اس کی نہ کوئی آواز ہے اور نہ اس مین کوئی حرکت ۔، یہ بات صرف ایک آن کیلیے تھی۔کا ئنا ت کا پھیلا نے پینے اور پیدا کرنے والا پر ہیبت و پراسرار گراں پیکر پہیہ جو آن کی آن رک کر الٹا چلنے والا معلوم ہوتا تھا۔ اپنے مقررہ رخ ورفتار پر لوٹ گیا زندگی اپنے تمام ہنگاموں کے ساتھ پھر رواں دواں نظر آنے لگی۔مکان آیا نہ نہانا اچھا معلوم ہوا نہ کھانے کو جی ہوا، جیسے نفس اپنے مطالبات چھوڑ بیٹھا تھا۔تھو ڑی دیر کے لیے کمرہ بند کر کے لیٹ رہا۔

ذہن نے ماضی کے اوراق ایک ایک کر کے پلٹنے شروع کر یئے۔طفولیت کا زمانہ یاد آیا جب اقبال کے اشعار چھٹنے کی دوستی کی طرح اشعار کہتے ہیں انھیں میں رہتے بستے ہیں اقبال کی صورت وہی ہوگی جو میرے اپنے تصورات کے عمل سے پیدا ہوئی تھی بہت اچھی سی بہت چاہی جانے والی جادوگروں جیسی کچھ عجیب سی !

یہ بات بھی عجیب نہیں ہے کہ اب بھی جبکہ ادراک وشعور ایک گونہ مکمل ہو چکا ہے۔اچھے اشعار کا مجھ پر وی اثر ہوتا ہے جو بچپن میں ہوتا تھا۔معنی ومطلب کے تیقن ہونے کے بعد ہی تھوڑی دیر کے لیے معلوم نہیں کیا چیز تصورات کو معلوم نہیں کہاں کہاں لئے پھیرتی ہے وہی افسانہ افسوں وہی روشنی وتاریکی لذت واذیت خوف وامید جو بچپن میں پیدا ہوتے تھے۔اب بھی بیدار ہو جاتے ہیں۔ جہاں چاہتے ہیں لئے پھرتے ہیں اور جہاں چاہتے چھوڑ دیتے ہیں۔

۱۹۲۵ء میں میں مرحوم سے ملنے لاہور گیا، اقبال کے کلام میں جو باتیں بچپن کے تجسس میں دلچسپ معلوم ہوتی تھیں اب تجزیہ وتجربہ کی زد میں نا قابل فہم معلوم ہونے لگی تھیں۔ میں صرف پڑھنے اور اپنے طور پر لطف لینے کی منز ل سے گزر چکا تھا۔اب پڑھانے کو پر فکر و پر لطف بنانے کا فرض عائد ہوتا تھا۔شعر میں شاعر غالب نظر آتا تھا۔اور ہر دلآویزی با تاثرات پر ہی نہیں بلکہ فکر وتجربہ کی صورت وصداقت پر منحصر معلوم ہوتی تھی۔ یہ وہ مرحلہ تھا جہاں میں نے محسوس کیا کہ خود شاعر کو دیکھا جائے اس کو اشعار ہی سے نہیں بلکہ اس کی شخصیت سے بھی ربط پیدکرنے کی کوشش کی جائے شاعر اپنے ترنگ میں جو چاہتا ہے کر دکھاتا ہے یہ تو نسبتا آسان عہدہ برآمد ہوتا ہے۔ وہ اپنے ہی جذبات کی ترجمانی کر سکتا ہے یا دوسروں کی تشفی بھی کر سکتا ہے

غالباً دن کے تو دس بجے ہوگے میں مرحوم کی کوٹھی پر پہنچا کپڑے پہن کر کسی مقدمہ کی پیروی میں جانے کے لئے تیار ہورہے تھے۔ سیاہ عقدہ باندھتے کالر درست کرتے ہوئے برآمد ہوئے ، ۔ گٹھا ہوا جسم چوڑی چکلی ہڈیاں مردانہ انداز آنکھوں کی ساخت اور مونچھوں کی وضع کسی قدر تورانیوں جیسی سوٹ بڑا اچھا معلوم ہوتا تھا۔ مسکرانے میں آنکھوں کے گوشوں میں جھریا ں پڑتی تھیں۔ جن سے ذکاوت وملاطفت کا اظہار ہوتا تھا۔ بڑی خوش دلی اور شفقت سے ہاتھ ملایا اور کسی قدر دیر تک ہاتھ میں ہاتھ لیے رہے بھاری بھرکم لہجے میں بولے آپ ہیں جی صدیقی صاحب میں اقرار کرتا ہوں کہ مرحوم کا ڈیل ڈول اور ان کا حلیہ دیکھ کر متحیر اور مرحوم کے انداز تخاطب اور لہجہ سے کسی قدر دل گرفتہ ہوا۔ اتنے میں نوکر کو آواز دی اور پنجابی میں قلم لانے کو کہا۔ قلم کا تلفظ سن کر میں گھبرا اٹھا علی گڑھ میں پنجابی تلفظ سے آشنا ہو چکا تھا لیکن ذہن میں معلوم نہیں کیوں یہ بات جم گئی تھی کہ ڈاکٹر اقبال اس طرح کی معذوریوں سے مستثنی ہوں گے۔

لیکن میں کیا بتاوں کہ اپنی پہلے سے بنائی بہشت کو یوں درہم برہم ہوتے دیکھ کر مجھ پر جو اثر جس درجہ ہونا چاہیے تھا وہ نہ ہوا۔ مرحوم کچھ اس انداز سے ملے اور اب میں محسوس کرتا ہوں کہ خود ان کے تلفظ میں کچھ ایسا خلوص اور ان کے ہاتھ ملانے میں وہ شفقت اور ناقابل بیان ومروت ومرنبت تھی کہ میں سب کچھ بھول گیا ایسا معلوم ہوا کہ اقبال ایسے نہ ہوتے تو کچھ نہ ہوتا جیسے ایک بنا تجربہ بڑا اچھا تجربہ حاصل ہوا۔ جس کا میں مستحق ضرور تھا گو اس کا منتظر نہ تھا۔ جیسے مجھے ایک نئی حس تفویض ہوئی جس کا جھین لیا جاتا تو میں کوئیبڑی کمی محسوس کرنے لگتا۔

تھوڑی دیر کے لیے کمرے میں آ بیٹھے علی گڑھ کا حال دریافت فرماتے رہے، آواز بھاری تھی لیکن بلند ہونے کے ساتھ ساتھ زور اور صفائی بڑھتی جاتی۔ میں نے اس خود اعتمادی کے ساتھ جس میں عالمانہ اور والہانہ دونوں انداز متوازی ومتوازن وں کم لوگوں کو گفتگو کرتے سنا ہے یہی بات مجھے ذاکر صاحب میں ملتی ہے۔ علام مرحوم کی باتیں سنے بشرط یہ کہ وہ بات کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو فوراً محسوس ہوگا کہ ان کی باتیں صرف زبان سے نہیں ادا ہوتی تھیں اور وہ اپنے الفاظ اور فقروں پر نہیں بھروسہ کرتے تھے بلکہ وہ باتیں کہیں دور سے اور بڑی گہرائی سے آتی تھیں۔ ان کی گفتگو حشو وزوائد سے قطعا پاک ہوتی تھی۔ اکی بحث اتنی واضح اور جامع ہوتی تھی کہ وضاحت وجامعیت بجائے خود صنائع وبدائع معلوم ہونے لگتی تھیں۔ گفتگو میں گرمی اور رو انی پیدا ہو جاتی تھی۔ تو آنکھیں پوری کھل جاتی تھیں وہ چہرہ پر خون کی سرخی جھلکنے لگتی تھی۔

اسی دن شام کو دوسری ملاقات ہوئی۔ اتفاق سے اس وقت ایک نوجوان شاعر آ گئے جو کچھ دیر تک اپنا فارسی کلام سنا تے رہے ان کی شاعری اور لہجہ دونوں پر جدید ایرانی رنگ غالب تھا۔ کچھ اور لوگ بھی آ گئے نوجوان کی گفتگو میں تعلیٰ زیادہ تھی ڈ اکٹر صاحب کی مسلسل خاموشی کسی قدر بیزاری میں تبدیل ہونے لگی۔ کچھ دیر تو بیٹھے رہے اس کے بعد اٹھ کھڑے ہوئے صحبت ختم ہوگئی صرف دو چار اصحاب بیٹھے رہ گئے اندر سے دیر میں برآمد ہوئے چہرہ پر اب بھی ارتقباض طاری تھا تھو ڑی دیر تک حقہ کا

ٹھہر ٹھہر کش لیتے رہے۔اس کے بعد فرمایا کی مطابق انسان کوظرف نصیب نہ ہوتو تعمت بن جاتی ہے۔اس کے بعد کچھ اورلوگ آ گئے اب طبیعت بحال ہوگئی تھی ہرایک سے پرسش حسال کرتے وہ بھی اس طور پرنہیں کہ موسم اچھا ہے یا برا۔ رسمی باتیں تو وہ کرنا ہی جانتے تھے ہر ملنے والے سے اس کے مشاغل اوراس کا مخصوص دکھ سکھ سنتے لوگ مرحوم کے حلقے میں معتقدین کی حیثیت سے ڈر سے سہمے نہیں بیٹھتے تھے۔ بلکہ محبت اور بے تکلفی کی فضا ہوتی تھی۔ ہرشخص مرحوم کی باتیں بڑی گہری توجہ سے سنتا اور خود بھی بے تکلفی سے سناتا ۔

دوسرے دن پھر مرحوم کی خدمت میں حاضر ہوا آج کہیں جانا نہ تھا۔ اسلیے بڑے اطمینان اور بے تکلفی سے باتیں شروع کیں۔اس زمانہ میں اقبال کے نظریہ فوق البشر کا بڑا چرچا تھا۔بعض باتیں میری سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔اس لیے اس پر میں نے خاص طور پر اپنے شبہات کا اظہار کیا۔مرحوم نے بڑی ہی عالمانہ انداز سے اورانتہائی خوش دلی اور خو داعتمادی کے ساتھ جوان کی سیرت کا بڑا ہی گراں قدر پہلو تھا اظہار خیال کرنا شروع کیا۔ مجھے اس وقت جو چیز سب سے عجیب اورخوش آئند معلوم ہوئی وہ یہ تھی کہ مشکل سے مشکل مسئلہ کومرحوم کس خوبی سے واضح کرتے تھے۔ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے متنازع فیہ مسئلہ میں کوئی پیچیدگی تھی ہی نہیں۔مخلصانہ نقطہ نظر کی یہ کرامت ہے کہ ناگہانی پیچیدگیوں اور نا معلوم مسا ئل کا حل بڑی آسانی سے سامنے آجاتا ہے۔اسی صحبت میں عورتوں کا درجہ فوق البشر، بعث نبوی کا وقت اور مقام فقہ اسلام میں اجتہاد کے مسائل پر تقریباً تمام دن گفتگو فرماتے رہے میں نے اس بحث کا خلاصہ اپنے بعض گذشتہ مضامین میں جہاں تہاں کیا ہے۔لیکن ایک باجس کا اعادہ میں بار بار کرتا رہا ہوں وہ یہ کہ مرحوم کوصرف شاعر سمجھ لینا یا یہ کہ ان کے خیالات یا تصورات تمام کے تمام ان کے کلام میں مفید ہو چکے ہیں۔ بڑی غلطی ہے۔مرحوم کی فکر ونظر کا بہت کم حصہ انکے کلام میں منتقل ہوا ہے وہ بہت کچھ جانتے تھے اور یہی نہیں بلکہ اکثر کچھ ایسا بھی محسوس ہوا جیسے بعض بالکل ہی نئی باتیں دوران گفتگو میں ان پر کسی کوشش کے بغیر منکشف ہوگئیں۔

فقہ اسلامی میں اجتہاد کے مسئلہ پر وہ انگریزی میں بہت کچھ لکھ چکے تھے۔مسودہ بھی ٹائپ ہو چکا تھا اور کافی ضخیم تھا۔فرمایا ان مسائل پر میں بعض مستند علما سے تبادلہ خیالات کرنا چاہتا ہوں تمھارے نزدیک کون لوگ ایسے ہیں جن سے رجوع کرنا سودمند ہوگا۔ میں نے عرض کیا کہ میں اس کوچہ سے نابلد ہوں اس کے علاوہ کچھ ایسا محسوس کرتا ہوں کہ ہما رے بیشتر علما علم دین سے تو پورے طور پر واقف ہوتے ہیں لیکن موجودہ عہد کے اکثر مسائل کچھ پیچ در پیچ ہوتے ہیں اور ماہرین فن ہی کے پیدا کئے ہوتے ہیں۔اسلیے ان پر ہمارے علما کرام مناسب رائے قائم کرنے سے معذور رہتے ہیں۔

جب تک متنازعہ فیہ مسئلہ کی ماہیت نہ معلوم ہواس وقت تک ان پر صحیح حکم لگایا کیسے جاسکتے ہیں۔میرا خیال ہے کہ آپ کے سامنے مسائل کی جونوعیت ہے اس پر اگر مولانا ابوالکلام آزاد صاحب اور مولانا سید سلیمان ندوی صاحب سے رجوع کیا جائے تو بہتر ہوگا مجھے ٹھیک یاد نہیں کہ مرحوم نے یہ فرمایا کہ وہ ان دونوں بزرگوں سے تبادلہ خیال کررہے ہیں۔یا کریں گے۔اتنا البتہ یاد ہے کہ دونوں کے بارہ میں مرحوم نے بہت اچھے خیالات کا اظہار کیا تھا۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم کا ایک خاص وصف یہ تھا کہ وہ خطوط کا جواب جلد سے دیتے اور جب تک بینائی نے ساتھ دیا ہر خط کا جواب اپنے ہاتھ سے لکھ کر بھیجتے۔ان خطوط میں رسمی تکلفات کو بالکل دخل نہ ہوتا اور ہر بات کا جواب نہایت واضح اور جامع ہوتا۔وہ مشکل سے مشکل اور نازک سے نازک مسئلہ میں بھی بڑی صاف گوئی سے کام لیتے۔بڑے آدمیوں کی طرح ان میں یہ کمزروی نہ تھی کہ جوابات ایسے ہوں کہ موقع بے موقع کترا کے نکل جانے کا امکان باقی رہے۔ان کو اپنے خیالات پر بڑا اعتماد ہوتا۔اسکا سبب میں سمجھتا ہوں یہ ہیکہ وہ فلسفی،مفکر اور مقنن ہونیکے علاوہ بڑے اچھے وکیل بھی تھے۔وہ جو کچھ کہتے یا لکھتے ان میں جذبات کو اتنا نہین جتنا کہ فکر و تدبر کو دخل ہوتا۔چنانچہ ان کی تحریر وتقریر دونوں میں ایک اچھے قانون داں اور اچھے وکالت کرنے والے کا منطقی ربط ہوتا۔

اقبال زندہ تھے تو اطمینان رہتا تھا کہ کوئی نہ کوئی موقع نکال کر ان سے مل آوں گا اور اس کا یقین تھا کہ ان سے کوئی نہ کوئی بات ایسی ضرور معلوم ہوں گی جو میری ذہن کی استعداد کو شگفتہ کرے گی اور دل کے ولولوں کو بڑھائے گی۔ذہن کی کچھ الجھنیں تھیں جن کے بارے میں یقین تھا کہ ڈاکٹر اقبال انھیں سلجھا دیں گے۔کبھی محنت ومطالعہ سے بچنے کے لیے دل کو بہلا لیا کرتا تھا کہ دماغ پاشی کیوں کی جائے کسی دن ڈاکٹر اقبال سے جا کر اپنا اطمینان کرلوں گا۔

جس وقت وفات کی خبر ملی تو معلوم ہوا کہ وہ تمام ذہنی تصورات جن میں بعض دھندلے تھے اور بعض گرزی پا اور جن پر تعمیر کھڑی کر لینا میری زندگی کی کرامات میں سے ہوتا،اقبال کے اٹھ جانے سے سب کے سب درہم برہم ہو گئے۔اب نہ وہ ولولہ رہا کہ ان کا پھر سے تعین کیا جائے اور نہ یہ امید کہ اقبال جیسا رفیق ورہبر ملے گا جو ان کی تشکیل و تزئین میں مدد دیگا۔

اقبال کا ایک خاص وصف یہ بھی تھا کہ وہ اکثر ایسی باتیں بتا دیتے تھے اور اس طرح سے بتاتے کہ اس ایک بات سے بے شمار نئی اور عجیب باتیں از خود برآمد ہونے لگتی تھیں اور کم سے کم مجھے تو ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے میں ان کی اس ایک بات سے بہت سی دوسری باتیں نکال سکتا تھا۔پھر لطف یہ کہ دوسری باتیں اصل بات سے کوئی واسطہ براہ راست نہ

رکھتی تھیں ۔ ان کی بتائی ہوئی باتیں نہ صرف نئے راستے کھول دیتی تھیں ۔ بلکہ انکے راستوں پر مجاہدانہ ومجتہدانہ انداز سے گرم رفتار ہونا بھی آسان اور دلچسپ ہو جاتا ہے ۔

اقبال دوسروں کے نزدیک کیسے ہی کچھ نہ ہوں میرے لئے تو وہ بہت کچھ تھے ۔ میں تو یہاں تک سمجھتا ہوں کہ بہت سے مقامات پر وہ خود اپنے آپ کو بہت پیچھے چھوڑ گئے ہیں ۔ اگر یہ شاعر ہے تو پیمبری کیا ہے؟ اور یہ پیغمبری ہے تو شاعری کا کیا درجہ ہے؟

(الف) مرکزی خیال :

سر اقبالؔ مرحوم کی پروقار شخصیت ، اُن کا فکر وفن ، اندازِ تخاطب ، آپ کا نظریۂ فوق البشر ، فقۂ اسلامی میں اجتہاد کے مسائل کے ضمن میں ان کے فکر انگیز خیالات ، آپ کی مردم شناسی ، مشکل نکات کی بالکل آسان وعام فہم فہمائش کی بے پناہ صلاحیت ، ہر عام وخاص کو خطوط کا جواب دینا اور ان کے سوالات کے فراخ دلی سے جوابات دینے کے وصف اور اُردو شاعری پر آپ کی بے پناہ قدرت وبصیرت کا بیان اس خاکے کا مرکزی خیال ہے ۔

(ب) خلاصہ :

سر اقبالؔ مرحوم رشید احمد صدیقی کا لکھا ہوا خاکہ ہے ۔ اس خاکے میں موصوف نے علاّمہ اقبالؔ کی شخصیت کی کچھ ایسی خوبیوں کو گنوایا ہے جس کے متعلق اُردو کا عام قاری نہیں جانتا ۔ اس خاکے کا خلاصہ مندرجہ ذیل نکات کی روشنی میں پیش کیا جارہا ہے ملاحظہ فرمائیں ۔

(۱) علاّمہ اقبالؔ کی وفات کی خبر ۔

(۲) مصنف کے بچپن کی یاد تازہ ہونا ۔

(۳) علاّمہ اقبالؔ سے مصنف کی پہلی ملاقات ۔

(۴) علاّمہ اقبالؔ کا قلمی چہرہ ۔

(۵) علاّمہ اقبالؔ کا اندازِ تخاطب (اندازِ گفتگو)

(۶) دوسری ملاقات اور نوجوان شاعر کا واقعہ ۔

(۷) مشکل نکات کی آسان تشریح کی صفت ۔

(۸) فقہٴ اِسلامی میں اجتہاد کے مسئلہ پر انگریزی میں کتاب۔

(۹) خطوط کا جواب۔

(۱۰) مصنف کا نقصان۔

ذیل میں ان نکات کی وضاحت سلسلہ وار درج کی جا رہی ہے۔

(۱) علاّمہ اقبالؔ کی وفات کی خبر:

رشید احمد صدیقی نے اپنے خاکے کی ابتداء علامہ اقبال کے اس شعر سے کی ہے۔

جس سے جگرلالہ میں ٹھنڈ ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفاں!

خاکہ نگار دور دراز کا سفر کر کے علی گڑھ ریلوے اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر اُترتے ہی ان کے ایک عزیز نے ان کو اطلاع دی کہ علاّمہ اقبالؔ کا انتقال ہو گیا۔ اس خبر کا ان پر اتنا اثر ہوا کہ ان سکتا طاری ہوتا ہے۔ انھیں تھوڑی دیر کے لیا ایسا محسوس ہوتا ہے پلیٹ فارم کی ہر چیز موجود تو ہے لیکن اس کی نہ کوئی آواز ہے اور نہ اس میں کوئی حرکت ہے۔ اسی حالت میں وہ اپنے گھر چلے جاتے ہیں۔ ان کو حواس فاختہ ہو چکے تھے انھیں نہ کھانے کی حاجت رہتی ہے نہ نہانے کی۔ وہ چپ چاپ اپنے کمرہ بند کر کے لیٹ جاتے ہیں۔

(۲) مصنف کے بچپن کی یاد تازہ ہونا :

مصنف کا ذہن اپنے ماضی کی طرف لوٹتا ہے۔ انھیں اپنا بچپن یاد آتا ہے جب انھیں اقبال کے اشعار زبانی یاد تھے۔ انھیں اقبالؔ کے اشعار بے حد پسند تھے۔ وہ ان اشعار کو دہریا کرتے اور ان سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ ان اشعار کے پس منظر میں ان کے ذہن میں علاّمہ اقبالؔ کی تصویر بن گئی۔

(۳) علاّمہ اقبالؔ سے مصنف کی پہلی ملاقات :

بچپن میں مصنف کے ذہن میں بنی ہوئی تصویر۔۔۔ میں پہلی بار ملنے کے لئے لاہور گئے۔ وہ اقبالؔ سے ملنے کے لئے بیقرار تھے۔ وہ اقبالؔ سے ان کے اشعار کی وضاحت کرنا چاہتے تھے۔ وہ یہ بھی دیکھنا چاہتے تھے کہ اقبالؔ ان کی اشعار قارئین کو سمجھا کر ان کی تشفی کر سکتے ہیں یا نہیں۔ مصنف اقبال کے مکان پر دن میں نو دس بجے پہنچے۔ اس وقت وہ کپڑے پہن کر کسی مقدمے کی پیروی میں جانے کے لئے تیار ہو رہے تھے۔

(۴) علاّمہ اقبالؔ کا قلمی چہرہ :

مصنف نے پہلی مرتبہ اقبالؔ کو دیکھا۔انھوں نے ان کی قلمی تصویر اس طرح بنائی۔مصنف ان کا سراپا اسطرح بیان کیا :''گھٹا ہوا جسم، چوڑی چکلی ہڈیاں، مردانہ انداز، آنکھوں کی ساخت اور مونچھوں کی وضع کسی قدر تورانیوں جیسی، سوٹ بڑا اچھّا معلوم ہوتا تھا۔مسکرانے میں آنکھوں کے گوشوں میں جھریاں پڑتی تھیں جن سے ذکاوت وملاطفت کا اظہار ہوتا تھا۔

(۵) اندازِ گفتگو:

مصنف کہتے ہیں کہ اقبالؔ گھر میں پنجابی لہجے میں گفتگو کرتے تھے۔ان کی آواز بھاری تھی لیکن آواز بلند ہونے کے بعد اس میں زور اور صفائی بڑھتی تھی۔آپ خود اعتمادی سے بات کرتے۔آپ کی گفتگو عالمانہ ووالہانی ہوتی۔وہ صاف اور واضح بات کرتے تھے۔مصنف کہتے ہیں کہ: گفتگو کرنے میں ان کی آنکھیں نصف سے بھی کچھ کم کُھلی رہتی تھیں۔البتہ جب گفتگو میں گرمی اور روانی پیدا ہوتی تھی تو آنکھیں پوری کُھل جاتی تھیں اور چہرہ پر خون کی سُرخی جھلکنے لگتی تھی۔

(۶) دوسری ملاقات اور نوجوان شاعر کا واقعہ :

اقبالؔ سے مصنف کی دوسری ملاقات اسی شام ہوئی۔اس دن اتفاق سے ایک نوجوان شاعر محفل میں تشریف لائے تھے۔وہ اقبالؔ کے شعر سنا رہے تھے۔اس نوجوان میں خودنمائی کا عنصر زیادہ تھا۔وہ اپنے اشعار میں بھی خودنمائی کررہا تھا۔اقبالؔ نے کچھ دیر سنا۔کچھ دیر بعد وہ بیزار ہوئے۔ان کے چہرے پر بھی بیزاری کے آثار نظر آرہے تھے۔انھوں نے محفل برخاست کی اور اندر چلے گئے۔بہت دیر کے بعد باہر آئے۔اب مصنف کے ساتھ دو چار آدمی موجود تھے۔اقبالؔ تھوڑی دیر حقہ پیتے رہے۔اس کے بعد آپ نے فرمایا:''نعمت کے مطابق انسان کو ظرف نصیب نہ ہو تو نعمت لعنت بن جاتی ہے۔''

(۷) مشکل نکات کی آسان تشریح کی صفت :

اقبالؔ میں کسی بھی مشکل سے مشکل بات کو نہایت آسان اور عام فہم انداز میں سمجھانے پر قدرت حاصل تھی۔اس زمانے میں اقبال کے فوق البشر کے نظریے کی کافی دھوم تھی۔مصنف کو اس کے متعلق کچھ باتیں سمجھ میں نہیں آتی تھیں انھوں نے اقبالؔ سے اس کے متعلق پوچھا تو آپ نے بڑی خود اعتمادی اور آسان لب و لہجے میں مصنف کو سمجھایا کہ مصنف کو ساری باتیں بڑی آسانی سے سمجھ میں آئیں۔مصنف اقبالؔ کی اس خوبی کے متعلق لکھتے ہیں کہ''مشکل سے مشکل مسئلہ کو مرحوم کس خوبی سے واضح کرتے تھے۔ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے متنازعہ فیہ مسئلہ میں کوئی پیچیدگی تھی ہی نہیں۔مخلصانہ نقطۂ نظر کی یہ کرامت ہے کہ ناگہانی پیچیدگیوں اور نامعلوم مسائل کا حل بڑی آسانی سے سامنے آجاتا ہے۔''

(۸) فقۂ اِسلامی میں اجتہاد کے مسئلہ پر انگریزی میں کتاب :

اقبالؔ ''فقۂ اسلامی میں اجتہاد'' پر ایک کتاب انگریزی میں لکھ رہے تھے۔ انھوں نے کافی کچھ لکھ لیا تھا۔ کتاب کا مسودہ ٹائپ بھی ہوا تھا۔ مسودہ کافی ضخیم تھا۔ کتاب کی اشاعت سے پہلے اقبالؔ اس موضوع پر کچھ مستند علماء سے تبادلۂ خیال کرنا چاہتے تھے۔ انھوں مصنف سے پوچھا کے آپ کی نظر میں اس موضوع پر مہارت رکھنے والے کون لوگ ہیں، ان کے نام بتائیے۔ مصنف نے مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا سید سلیمان ندوی کے نام بتائے۔ اقبالؔ نے ان دنوں کے متعلق بہت اچھے خیالات کا اظہار کیا۔

(۹) خطوط کا جواب:

اقبالؔ میں یہ بہت بڑی خوبی تھی کہ وہ ان کو لکھے گئے خطوط کا جواب جلد از جلد دیتے تھے۔ جب تک ان کی آنکھوں میں بینائی تھی تب تک انھوں نے ہر خط کا جواب پابندی سے دیا۔ وہ خطوط کے جوابات دینے میں رسمی تکلفات نہیں کرتے تھے۔ وہ ہر سوال کا جواب مدلل دیتے تھے۔ عام بڑے لوگوں کی طرح گڈ مڈ جواب نہیں دیتے تھے۔ بلکہ عالمانہ و مفکرنا جواب دیتے تھے۔

(۱۰) مصنف کا نقصان :

خاکے کے اختتام میں مصنف کہتے ہیں کہ اقبالؔ جب تک زندہ تھے انھیں اس کا اطمینان تھا کہ وہ کسی نہ کسی بہانے سے ان سے مل آئیں گے۔ ان سے ملنے پر انھیں کوئی نہ کوئی نئی بات ضرور معلوم ہوگی جس سے ان کے اضافہ ہوگا۔ مصنف کہتے ہیں کہ ان کے ذہن میں کچھ علمی سوالات تھے جسے سلجھانے کی انھوں نے کوشش اس لئے کی کہ وہ ان سوالات کے جوابات اقبالؔ سے مل کر حاصل کریں گے۔ مصنف یہ بھی سوچتے تھے کہ جب اقبالؔ سے بڑی آسانی سے جواب مل سکتا ہے تو کیوں اپنی دماغ پاشی کی جائے۔ اس لئے مصنف کہتے ہیں کہ ان کے انتقال سے ان کا بہت بڑا علمی نقصان ہوا۔ جس کی تلافی نہیں ہوسکتی۔ رشید احمد صدیقی نے اس خاکے کا اختتام ان الفاظ میں کیا ہے۔

''اقبالؔ دوسروں کے نزدیک کیسے ہی کچھ نہ ہوں میرے لئے تو وہ بہت کچھ تھے۔ میں تو یہاں تک سمجھتا ہوں کہ بہت سے مقامات پر وہ خود اپنے آپ کو بہت پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ اگر یہ شاعری ہے تو پیمبری کیا ہے؟ اور یہ پیغمبر ہے تو شاعری کا کیا درجہ ہے؟

خودکو جانچنے کے لیے سوالات ۔ا

سوال نمبر1:۔ مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات ایک جملے میں دیجیے۔

(ا) سرا قبالؔ مرحوم کس کا خاکہ ہے؟

(۲) سرا قبال مرحوم کے خاکہ نگار کا نام بتائے۔

(۳) رشید احمد صدیقی کو اقبالؔ کی وفات کی اطلاع کہاں ملی؟

(۴) کس سن میں میں رشید احمد صدیقی اقبالؔ سے ملنے گئے؟

(۵) مصنف اقبالؔ سے ملنے کہاں گئے تھے؟

سوال نمبر2:۔ مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات مختصراً دیجیے۔

(ا) رشید احمد صدیقی کو اقبالؔ کے وفات کی خبر ملی تو ان کی پر کیا اثر ہوا؟

(۲) مصنف کی اقبالؔ سے قلمی چہرہ کس طرح کھینچا؟

(۳) اقبال کا اندازِ گفتگو کیسا تھا؟

(۴) مصنف کی اقبال سے دوسری ملاقات کا منظر پیش کیجیے۔

(۵) اقبالؔ خطوط کے جوابات کس طرح دیتے تھے۔

سوال نمبر3 :۔ مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات مفصل دیجیے۔

(ا) سرا قبال مرحوم کا خلاصہ لکھیئے۔

(۲) سرا قبال مرحوم کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔

(۳) رشید احمد صدیقی کا تعارف لکھ کر مصنف نے اقبال سے پہلی و دوسری ملاقات کا تفصیل سے جائزہ لیجیے۔

3.2.3 مصنف ''قاضی عبدالغفار'' کا تعارف

قاضی عبدالغفار اُردو کے معروف سوانح نگار، ناول نگار، مقالہ نگار اور صحافی گزرے ہیں۔آپ کا وطن مرادآباد تھا۔ آپ کی ابتدائی تعلیم وہیں ہوئی۔اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے آپ علم وادب کے مرکز علی گڑھ کو

چنا۔علی گڑھ کی علمی وادبی فضا میں آپ کا ادبی وسیاسی شعور پروان چڑھا۔آپ نے اپنی عملی زندگی کا آغاز صحافت سے کیا۔آپ نے پہلے پہل مولانا محمد علی جوہر کے مشہور اخبار ''ہمدرد'' سے ان کے معاون ومددگار کی حیثیت سے دہلی میں کام کرنا شروع کیا بعدازاں آپ دہلی سے کلکتہ چلے گئے اور وہاں سے اپنا روزنامہ ''جمہور'' جاری کیا اور جب کلکتہ سے حیدرآباد تشریف لے گئے یہاں سے ''پیغام'' نکالنا شروع کیا۔آخری ایّا میں آپ ''انجمن ترقی اردو (ہند) کے سیکریٹری کی حیثیت سے کام کیا۔انجمن کے ترجمان ''ہماری زبان'' مدیر رہے۔اسطرح آپ کا صحافتی سفر جاری رہا۔

صحافت کے علاوہ سوانح، ناول اور تاریخ سے بھی آپ کی کافی دلچسپی تھی۔ان تمام اصناف میں آپ کی یادگاریں موجود ہیں۔آثار جمال الدین، حیاتِ اجمل، یادگارِ ابوالکلام، لیلیٰ کے خطوط، مجنوں کی ڈائری، عجیب وغیرہ آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔

3.2.4 خاکہ ''حکیم اجمل خاں مرحوم''

حکیم اجمل خاں مرحوم
شخصیت کے چند پہلو

بہت کم لوگ جانتے ہیں۔درحقیقت دو چار خاص نیازمندوں کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا کہ اجمل خاں کی لازوال مسکراہٹ اور دلنواز بذلہ سنجی میں ایک گہرے غم کی تلافی شامل تھی جو لوگ ان کو ہر وقت مسکراتے اور ہمہ وقت احباب سے چھیڑ کرتے دیکھتے تھے ان کو خبر نہ تھی کہ علم وعمل کے اس محشرستان میں اجمل خاں کا دل ایک محشرستان تھا۔جس میں زندگی کی لاکھوں جراحتیں بھری ہوئی تھیں۔ساری عمر کے ناسور پوشیدہ تھے۔جوانی کے آغاز سے قبر کے گوشہ تک ان کا وجود معنوی آتشِ غم میں جھلستا ہوا اور جلتا ہوا گزرا۔فلسفۂ حیات وممات کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جو کہتا ہے کہ انسان کی دنیوی زندگی محض ایک دوسرا امتحان وتربیت ہے۔صورت میں انسانی جسد کے اندر ایک تیز آگ میں تپایا جاتا ہے۔پھر اس کا جوہرِ اصلی کسی دوسرے عالم میں لباسِ زندگی پہن کر نمودار ہوتا ہے۔اجمل خاں کا جوہر معنوی بہت تپایا گیا، مگر ان کے گردوپیش کسی کو خبر نہ تھی کہ علم وفضل کمال، شہرت وعزّت، دولت وناموری اور کامیابی کے پردوں میں ان کے زخم دل سے ہر وقت خون کے قطرے کس طرح ٹپکتے رہتے ہیں۔یہ ان کے زندگی کا ایک راز تھا۔جو چند ہی

نیازمندوں کومعلوم تھااور وہ بھی اس کوزبان پرنہیں لا سکتے ، جو چند نیازمنداس راز سے یگ گونہ واقف تھے وہ بلا مبالغہ کہہ سکتے ہیں کہ اجمل خاں کو بظاہر اپنی کامیاب اور مطمئن زندگی میں حقیقی مسرّت کے شاید دن بھی بہ مشکل میسّر آئے ہوں گے ۔اپنے روحانی کرب اور دماغی الجھنوں کوانھوں نے ہمیشہ لاعلاج اور ناقابلِ علاج پایا،اس لئے وہ ان افکار کو بہلانے کے لئے ہرقسم کے سامان مہیا کرتے تھے ۔احباب کی محفل ،سیاست کے ہنگامہ،مطب کی مصروفیت ،سفر، مطالعۂ کتب اوراسی طرح کے مشاغل وہ اپنے لئے پیدا کرتے رہتے ۔حتیٰ کہ وہ مشاغل ان کی قوتِ برداشت سے بہت زیادہ ہوتے تھےلیکن وہ اپنی جسمانی صحت کی قربانی بہ خوشی گوارا کرتے تھے تاکہ روحانی زندگی کی تلخی کچھ کم ہو سکے ۔لوگ کہا کرتے تھے کہ حکیم صاحب پتھر یا فولاد کے بنے ہوئے ہیں ۔کسی طرح تھکتے ہی نہیں ۔آسائش اورراحتِ جسمانی کا تو خیال ہی ان کے دل میں نہیں آتا ۔ایک لوہے کی مشین ہیں جوصبح سے شام تک چلی جاتی ہے ۔لیکن ان لوگوں کومعلوم نہ تھا کہ جسم کی تھکن اور ماندگی ان کوگوارا تھی مگرتنہائی میں اس روحانی عذاب کووہ برداشت کرنے سے گھبراتے تھے جوان کی معنوی زندگی پرحاوی تھا۔وہ اپنی قوتِ جسمانی کی کمان کو جہاں تک وہ کھینچ سکتی تھی کھینچتے رہتے تھے تا آ کہ اس کا چلّہ ایک شب کورام پور میں ہمیشہ کے لیےٹوٹ گیا۔وہ یہ سب اسی لیے کرتے تھے کہ اندرونی زندگی میں اپنی فطرت کے منافی مجبوریوں اورمعذوریوں کا خیال دل میں نہ آپائے اورظاہری زندگی کی مصروفیت ان کو اتنا دم ہی نہ لینے دے کہ وہ اپنے وجودمعنوی کی جراحتوں کودیکھ سکیں۔جرمنی کے مشہورسوانح نگارلڈوگ نے گائٹے کی زندگی پرتبصرہ کرتے ہوئے جوالفاظ لکھے ہیں وہ بالکل اجمل خاں کی زندگی پرصادق آتے ہیں ۔اس نے لکھا ہے کہ: قسمت کے پاس سب سے موثر آلہ حرب اس کے پاس صرف ایک ہی تھا۔مصروفیت ،مصروفیت کے سایہ میں وہ آزمودہ کارا پنے لئے پناہ ڈھونڈھتا۔وہ اپنا سب کچھ دوسروں کو دیتا تھا صرف اسی کوشش میں کہ اس کوکوئی چیز،کوئی بہانہ دل کی تسکین کامل جائے محبت ،دوستوں کی محبّت ،دوسروں پرمہربانیاں ،دوسروں کی خطاؤں پرنگاہ کرم اس سب کے درمیان اس کی روح تنہا اور بے یارومددگارتھی اورزندگی کی خزاں کا موسم قریب آچکا تھا"۔

جس طرح ایک پتھر کے جس قدر زیادہ بلندی سے وہ گرتا ہے اتنی ہی تیز رفتار کے ساتھ زمین کی طرف آتا ہے، اس طرح اجمل خاں کا زندگی انحطاط آخرزمانہ میں بہت تیز ہوگیا تھا،ان کی روح باوجودظاہری سکون واطمینان کے اپنی منزل کی طرف بہت تیزی کے ساتھ جارہی تھی اوراب وہ خوب جانتے تھے کہ یہ افسانہ ازافسانہ می خیزد کا سلسلہ جس کومصروف زندگی کہتے ہیں کس طرح ایک دن کسی کہانی کے ادھ بھر میں ٹوٹ کررہ جائے گا۔زندگی کی ہزاروں منزلوں پراس تھکی ہوئی مسافرگاڑی کوتازہ گھوڑے ملتے رہےمگرایک دن ایک منزل ایسی آئی کہ وہاں کوئی تازہ دم گھوڑا موجود

نہ تھا جو اس کے تھکے ہوئے مسافر کو آگے لے جاتا اور وہی اس کی آخری منزل تھی۔ وہ اپنے سفر کی ان تفصیلات سے بے خبر تھے۔ ان کو اس منزل کے قریب آجانے کی خبر تھی جہاں سے ان کی گاڑی کے لئے تازہ دم گھوڑے موجود نہ تھے۔

حکیم اجمل خاں کی اس غم نصیبی میں ان کی روحانی زندگی پوشیدہ تھی۔ دنیا میں غم سے زیادہ باطن کا پاک کرنے والا کوئی دوسرا جذبہ نہیں ہے۔ ان کے دل میں فقیرانہ احساس اسی جذبے نے پیدا کر دیا ہے۔ وہ اپنے سخت سخت دشمنوں کے ساتھ اس طرح احسان کرتے تھے گویا انھوں نے کچھ بھی نہیں کیا، وہ نیکیاں کرتے تھے، احسان کرتے تھے اور واقعی بھول جاتے تھے، آخری زمانے میں سیاسیات کے ہنگاموں میں ان کی آمدنی کے ذرائع بہت محدود ہو گئے تھے، وہ اپنی صاحبزادی کی کمزور صحت کی وجہ سے ہر سال گرمیوں میں اہل وعیال کو کسی پہاڑی مقام پر لے جاتے تھے۔ خود تو بہت کم رہ سکتے تھے لیکن اہل وعیال پورا موسم گرم پہاڑوں میں گزارتے تھے۔ شاید ۱۹۲۱ء کا موسمِ گرما تھا اور وہ سولن میں مقیم تھے۔ ان کی مالی حالت اس زمانے میں بہت کمزور رہتی تھی اور چوں کہ ہمیشہ جتنے سفر قومی کاموں کے سلسلے میں کرتے تھے ان کا خرچ خود برداشت کرتے تھے اور کبھی کسی قومی سرمایہ سے وصول نہ کرتے تھے۔ اس لئے سفر کے اخراجات کی کوئی انتہا نہیں رہتی تھی۔ ان کے خاص نیازمندوں کو معلوم تھا کہ اس زمانے میں گھر کے معمولی اخراجات کے لیے روپیہ قرض لینا پڑ رہا تھا لیکن یہ تو کسی کی مجال نہ تھی کہ کسی صورت سے مالی امداد پیش کر سکتا۔ البتہ ایک دن ایک نیازمند نے ان سے عرض کی کہ آپ کی سیاسی مصروفیت نے آمدنی کا سلسلہ بند کر دیا ہے، ریاستوں میں آپ بلائے جاتے ہیں تو جاتے نہیں، آخر گھر کے اخراجات کیونکر چلیں گے۔ فرمایہ کہ مجبور ہوں، میرے پاس وقت نہیں کہ میں ریاستوں میں جاؤں جس شب یہ گفتگو ہوئی اس کی صبح ہی کو وسط ہند کی ایک ریاست سے بلانے کا تار آیا۔ بہ دشواری آمادہ کیا گیا کہ تشریف لے جایں اسی زمانے میں لکھنو میں خلافت کانفرنس کا ایک اہم جلسہ ہونے والا تھا اس لیے وہ کسی طرح اس اجلاس سے غیر حاضر نہ ہونا چاہتے تھے۔ بہ ہزار مشکل ریاست کی دعوت قبول کرنے پر آمادہ کیا گیا اور خدا خدا کر کے تشریف لے گئے۔ دس روز بعد تشریف لائے۔ سہ پہر کو سولن پہنچے۔ کوٹھی پر آتے ہی اسی نیازمند کو الگ لے جا کر فرمایا۔ بھائی دس ہزار لے آیا، یہ چھ ہزار تم اپنے پاس رکھو ایک کام ہے جو بعد کو بتاوں گا اور چار ہزار روپیے بیگم صاحبہ کو دے آتا ہوں، یہ فرما کر اور ہزار ہزار روپیہ کے چھ نوٹ دے کر باقی روپیہ گھر لے گئے۔ صبح کو جب دریافت کیا گیا تو وہ چھ ہزار کس غرض کے لئے رکھے ہیں تو فرمایا کہ بھائی کئی مہینے ہوئے میں خلافت کمیٹی سے چندے کا وعدہ کر چکا تھا اس زمانے میں روپیہ پاس نہ تھا اس لئے اب تک وہ وعدہ پورا نہ کر سکا۔ اب اتفاقاً تمہاری زبردستیوں سے یہ رقم آگئی ہے تو اس میں سے چھ ہزار آج ہی خلافت کمیٹی کو بھیج دو تا کہ میرا بوجھ ہلکا ہو جائے۔ عملی دنیا میں جب اپنے گھر کے لیے نا ہو، بہت کم ہمّت والے داد و دہش کر سکتے ہیں۔ ی

ہ اولوالعزمی اجمل خاں ہی کے لئے مخصوص تھی۔اس قسم کا ایک واقعہ میرا خلاق حسین صاحب بیان فرماتے ہیں۔وہ لکھتے ہیں کہ ایک دن شام کو حکیم صاحب نے مجھے یاد فرمایا اور مجھے اعلاحدہ لے جا کر کہنے لگے کہ:

''دو مہینے سے جامعہ ملّیہ کے اساتذہ کی تنخواہیں نہیں دی گئیں، میرے پاس ایک الماس کی انگشتری اور ایک زمرد کی ہے۔یہ دونوں چیزیں لے جاؤ اور ان کو بازار میں یا جہاں مناسب سمجھو جا کر فروخت کر دو تا کہ مجھے کچھ سبکدوشی ہو اور جہاں تک ممکن ہو کوشش کر کے ان چیزوں کو جلد اعلاحدہ کر دو"

میں نے دونوں انگوٹھیوں کو لے کر عرض کیا کہ میں آٹھ سات دن میں ان کو بازار میں دکھا کر جو قیمت لگے گی اس سے اطلاع دوں گا۔کہا۔اچھا،مگر تساہل نہ کرنا۔مجھے جامعہ کے اساتذہ سے بے حد ندامت ہے۔اس کے بعد حکیم صاحب مرحوم محل سرا میں تشریف لے گئے اور مَیں حکیم صاحب کی ہمّتِ عالی اور ایثار کی دل ہی دل میں قدر کرتا ہوا گھر پہنچا اور دوسرے دن حکیم صاحب قبلہ سے اجازت لے کر اکبرآباد گیا اور وہاں ایک بڑے جوہری کو دونوں انگوٹھیاں دکھائی انھوں نے حسبِ قاعدہ فرمایا کہ آج کل ہیرے کا بازار نرم ہے۔اور زمرد میں دو ایک جسرم ہیں اس وجہ سے خاطر خواہ دام نہیں مل سکتے۔میں نے کہا کہ آج کل کے نرخ سے آپ قیمت لگائیں۔مالک اگر آپ کے اوفر کو منظور کریں گے تو آپ کو دونوں چیزیں دے دی جائیں گی۔جوہری صاحب نے دونوں انگوٹھیوں پر اس وقت اپنی مہر کر دی اور کہا کل آیئے دیکھ کر اوفر دیں گے۔میں دوسرے دن وقتِ مقرر پر جوہری صاحب کے یہاں گیا اور انھوں نے اچھی طرح دیکھ بھال کر الماس کی انگوٹھی کے چار ہزار اور زمرد کی انگوٹھی کے ڈیڑھ ہزار روپے لگائے چونکہ میری رائے میں یہ قیمت بہت کم تھی اس لئے میں نے ان کا اوفر نہیں لیا اور اسی طرح آگرہ سے دہلی چلا آیا۔دہلی پہنچنے پر معلوم ہوا کہ حکیم صاحب رامپور تشریف لے گئے ہیں۔

آگرہ سے آکر یہ دونوں چیزیں دہلی کے دو ایک بڑے جوہریوں کو دکھائیں۔یہاں بھی قریب قریب وہی دام لگے جو آگرہ میں لگے تھے۔دو دن بعد حکیم صاحب قبلہ رامپور سے واپس آگئے۔میں نے حاضر ہو کر مزاج پرسی کے بعد حقیقتِ حال سے اطلاع دی،فرمایا تمہاری رائے میں قیمت مناسب ہو تو اعلیٰحدہ کر دو۔میں نے عرض کیا الماس کی انگشتری کم سے کم چھ ہزار کی فروخت ہونا چاہیے اور زمرد کی انگوٹھی دھائی ہزار کی فروخت ہو سکتی ہے،مگر عجلت میں یہ قیمت نہیں ملے گی۔فرمایا جو کچھ روپیہ میں رامپور سے لایا ہوں یہ تو میں جامعہ کا دیئے دیتا ہوں اور تم اور کوشش کرو۔اس کی جو آخری قیمت لگے مجھ سے کہنا،حقیقت یہ ہے کہ ان چیزوں کا فروخت ہونا کسی طرح گوارا نہ تھا۔لیکن حکیم صاحب کے اصرار سے مجبور تھا اور اِدھر اُدھر دونوں انگوٹھیوں کو دکھا رہا تھا اور بہ نسبت پہلے کے قیمت زیادہ مل رہی تھی،دوسرے

تیسرے دن حکیم صاحب کو قیمت کی رپورٹ سنا دیتا تھا اور مرحوم ہر مرتبہ یہی فرماتے تھے کہ مناسب سمجھئے تو اعلیٰحدہ کر دیجئے۔ اس زمانے میں مہاراجہ بوندی بیمار ہوئے اور حکیم صاحب کو کئی مرتبہ ان کے علاج کے لیے بوندی جا کر قیام فرمانا پڑا اور جامعہ کی قسمت سے ایک معقول رقم مل گئی۔ میرا خلاق حسین کا بیان ہے کہ:

''کوٹا سے دہلی کو واپس تشریف لاتے ہی میں نے بیان کیا کہ اب تو خدا کے فضل سے جامعہ کے لئے انتظام ہو گیا۔ اب غالباً انگشتریوں کے فروخت کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ اگر حکم ہو تو وہ جمیل خاں کو دے دی جائیں۔ فرمانے لگے، خدا کا شکر ہے اس نے مجھے جامعہ کے قرض سے سبکدوش کر دیا۔ اب خداوند کریم کوئی ایسی صورت پیدا کر دے کہ طبیہ کالج کی طرح جامعہ کی مالی حالت بھی مضبوط ہو جائے۔ مجھے ذرا فرصت ملے تو میں جامعہ کے لئے دو چار سفر کروں۔ مجھے خدا سے امید ہے کہ اب جلد جامعہ کی مالی حالت درست ہو جائے گی۔۔۔"

غربا اور ضرورت مندوں کا خیال ان کو ہمیشہ رہتا تھا۔ ابتدائی زندگی میں جب سیاسی مشاغل سے کوئی واسطہ ہی نہیں تھا وہ سیکڑوں ضرورت مندوں کی حاجت روائی کیا کرتے تھے رمضان میں ان کے دستر خوان پر سینکڑوں بھوکے روزانہ کھانا کھاتے تھے۔ محمد اکرام صاحب مرحوم نے جو عرصے تک ان کی صحبت سے مستفید ہوئے تھے بیان کیا کہ ایک دفعہ بلّی ماران کے غریب اور ضرورت مند باشندوں کی ایک فہرست تیار کرائی گی جو خود اکرام صاحب نے تیار کی تھی اور حکیم صاحب کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ مجھے یہ دیکھنا ہے کہ میں دو وقت روٹی کھا لیتا ہوں مگر میرے محلے کے کتنے ایسے انسان ہیں جن کو ایک وقت بھی مل جاتی ہو۔

مولوی کفایت اللہ صاحب نے ایک موقع پر تحریر فرمایا کہ:

''مجھے تفصیلی حالات تو معلوم نہیں کیوں کہ تمام داد و دہش بے حد خاموشی اور پوشیدگی کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ تاہم جہاں تک ان کے معتمد کارکن سے معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ کتنی بیواؤں اور یتیموں کے ماہانا وظائف اور کتنے ہی غریبوں اور حاجت مندوں کی یک مشت عطیات سے دستگیری ہمیشہ جاری رہتی تھی اور اس میں ماہانا بڑی گراں قدر رقم خرچ ہو جایا کرتی تھی، مگر سوائے ان کے معتمد کارکنوں یا ان لوگوں کے جو مستفید ہوتے تھے اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی تھی۔ بیش قیمت دواؤں کی تقسیم اور غربا کے ساتھ ان کی ہمدردی معروف و مشہور ہے۔"

لیکن جو لوگ زیادہ خدمت میں حاضر رہتے تھے وہ داد و دہش کی ان خفیہ طریقوں سے کچھ کچھ روشناس ہو گئے تھے۔ مثلاً دوپہر کے دو بجے دس پانچ احباب بیٹھے ہیں کوئی صاحب آئے۔ حکیم صاحب نے سر و قد اٹھ کر تعظیم دی۔

دیکھنے والے سمجھے کہ کوئی پرانے دوست آئے ہیں۔ جب وہ رخصت ہونے لگے تو ارشاد ہوا۔ ذرا بعد مغرب مجھ سے مل لیجئے گا۔ وہ بہت خوب کہہ کر چلے گئے۔ شام کو بعد مغرب صحبتِ احباب ہے کہ وہ حسب الطلب تشریف لائے۔ حکیم صاحب نے اٹھ کر فرمایا کہ ذرا دوسرے کمرے میں تشریف لائیے، مجھے آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ ان کو لے کر دوسرے کمرے میں چلے گئے واپس آئے تو وہ صاحب ادھر ہی سے رخصت ہو چکے تھے۔ دیکھنے والے کچھ نہ سمجھے کہ کون تھے اور کیوں آئے تھے۔ پھر یہ داد و دہش روپیہ دو روپیہ یا دس پانچ روپیہ محدود نہ تھی۔ بعض اوقات سینکڑوں اور ہزاروں کی رقم اجمل خاں کے ہاتھ سے بہ یک وقت اہلِ غرض کی جیب میں جاتی تھیں۔ عموماً سفید لفافہ دیا جاتا تھا۔ آخر زمانہ میں جب بہت عدیم الفرصت رہتے تھے اور تنہائی اور تخلیہ کے اوقات باقی نہ رہتے تھے تو کبھی کبھی کسی رازدار کے ہاتھ سے جو کچھ دینا ہوتا تھا دلوا دیتے تھے اور دے کر خود ہی شرماتے تھے۔ مہینہ کے مہینے کچھ منی آرڈر بھی بھیجے جایا کرتے تھے لیکن حسابات میں ان رقوم کا اندراج نہ ہوتا تھا۔ قرض لینے کی عادت ان کو کبھی نہ تھی بلکہ قرض سے بے حد متنفر رہتے تھے۔ تاہم داد و دہش کے لئے قرض لینے کی ضرورت ہو تو قرض بھی لیتے تھے۔

حکیم صاحب کے مُحبِ صادق مولوی حبیبُ الرحمٰن خاں صاحب شیروانی مرحوم نے اپنی یادداشت میں ان کی محبتوں اور وضعداریوں کا یوں ماتم کیا ہے:

''دنیا میں آدھی صدی کے زمانہ میں کیا تغیرات نہ ہوئے۔ اختلافات وہ پیش آئے جو خرمنِ محبت کو پھونک دینے کے لئے کافی تھے۔ پہلے ترکِ موالات کے زمانے میں اجمل خاں ایک میدان میں تھے اور میں دوسرے میں۔ بعض انتہائی نازک موقعوں پر مقابلہ ہو گیا۔ مگر اجمل خاں! تجھ پر خدا کی رحمت۔ اُف تلخ تجربوں میں کبھی تیری نگاہ میں تیزی، تیرے لب و لہجے میں گرمی نہ پائی۔ جب ملاقات ہوئی تو وہی اک درے والا یک رنگ مہربان تھا، وہی شیریں کلامی، وہی نگاہ میں موہنی تھی۔ کاش کوئی اس عہد کے لوگوں سے کہہ دے کہ سیاسی اختلاف کیسا ہی شدید رہا ہو ہماری نجی ملاقاتوں میں سوائے علمی اور محبت کی باتوں کے کوئی تذکرہ نہ آیا۔ اس لئے جب ملے اُنس اور ربط کی فضا میں۔"

اخلاقِ انسانی کی اس دولت کے ساتھ ان کی دماغی فضیلتیں اتنی تھیں کہ بیان نہیں ہو سکتیں۔ ان اوراق میں جا بہ جا پڑھنے والے اجمل خاں کو اندر سے اور باہر سے دیکھ چکے ہیں۔ اب ان کے دماغی فضائل پر تبصرہ بالکل فضول اور بے کار ہے۔

کون نہیں جانتا کہ وہ کس قدر فہمِ عامہ رکھتے تھے اور کس قدر جلد طویل معاملہ کے اصل نکتہ کو پا جاتے تھے۔ کتنا ہی الجھا ہوا معاملہ ہے۔ تھوڑی سی گفتگو کے بعد حقیقتِ حال ان کی گرفت میں آ جاتی تھی اور جب وہ نکتہ کو پکڑ لیتے تھے تو

پھراس کو چھوڑتے نہ تھے۔صحیح چیز کو صحیح نقطۂ نظر سید یکھتے تھے۔وہ سمجھتے تھے کہ معاملات میں صحیح اصول سے ہٹ کر کدھر ہی جائے، باقی سب راستے ٹیڑھے ہوں گے۔ ہرلفظ اور ہررائے جوان کی زبان سے ادا ہوتی تھی اس پر ہمیشہ فہمِ عامہ کی مہر ہوتی تھی اور فہمِ عامہ ہی اجمل خاں کی دماغی شخصیت کا بہت بڑا وصف تھا۔

حکیم اجمل خاں مرحوم خاکے کا خلاصہ

''حکیم اجمل خاں مرحوم ۔۔شخصیت کے چند پہلو'' قاضی عبدالغفار کا لکھا ہوا خاکہ ہے۔حکیم اجمل خاں ہندوستان کی عظیم شخصیتوں میں سے ایک ہیں۔حکیم اجمل خان نے ملک وقوم کی بےلوث خدمت کی ہے۔ان کی سیاسی، سماجی، تعلیمی اور علمی وادبی خدمات کوفراموش نہیں کیا جاسکتا۔اس خاکے میں قاضی عبدالغفار نے ان کی متذکرہ تمام خدمات کا احاطہ کرتے ہوئے ان کے نمایاں اخلاق وعادات کا تذکرہ کیا ہے جس کے مطالعے سے ان کی سیرت وشخصیت واضح ہوتی ہے۔وہ نہایت شریف النفس انسان تھے۔

قاضی عبدالغفار نے لکھتے ہیں کہ حکیم اجمل خان کی ذاتی زندگی بہت دکھ درد اور کرب والم میں گزری ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔''اجمل خاں کا جوہر معنوی بہت تپایا گیا،مگران کے گردوپیش کسی کوخبر نہ تھی کہ علم وفضل کمال،شہرت وعزّت، دولت وناموری اور کامیابی کے پردوں میں ان کے زخم دل سے ہروقت خون کے قطرے کس طرح ٹپکتے رہتے ہیں۔یہ ان کے زندگی کا ایک راز تھا۔جو چندہی نیازمندوں کومعلوم تھا اور وہ بھی اس کو زبان پرنہیں لاسکتے، جو چند نیازمنداس راز سے یگ گونہ واقف تھے وہ بلا مبالغہ کہہ سکتے ہیں کہ اجمل خاں کو بظاہر اپنی کامیاب اور مطمئن زندگی میں حقیقی مسرّت کے شاید دن بھی بہ مشکل میسّر آئے ہوں گے۔اپنے روحانی کرب اور دماغی الجھنوں کوانھوں نے ہمیشہ لاعلاج اور ناقابلِ علاج پایا،اس لئے وہ ان افکار کو بہلانے کے لئے ہرقسم کے سامان مہیا کرتے تھے۔ احباب کی محفل، سیاست کے ہنگامہ،مطب کی مصروفیت،سفر،مطالعۂ کتب اور اسی طرح کے مشاغل وہ اپنے لئے پیدا کرتے رہتے۔حتیٰ کہ وہ مشاغل ان کی قوتِ برداشت سے بہت زیادہ ہوتے تھےلیکن وہ اپنی جسمانی صحت کی قربانی بہ خوشی گوارا کرتے تھےتاکہ روحانی زندگی کی تلخی کچھ کم ہوسکے''۔

قاضی عبدالغفار نے اجمل خان کی زندگی کی وضاحت کرنے کے لیے جرمنی کے مشہورسوانح نگار''لڈوگ'' کی تحریربطوردلیل یوں پیش کی ہے۔: ''جرمنی کے مشہورسوانح نگارلڈوگ نے گائٹے کی زندگی پرتبصرہ کرتے ہوئے جوالفاظ لکھے ہیں وہ بالکل اجمل خاں کی زندگی پرصادق آتے ہیں''۔اس نے لکھا ہے کہ:

''وقت کے پاس سب سے موثر آلہ حرب اس کے پاس صرف ایک ہی تھا۔مصروفیت،مصروفیت کے سایہ میں وہ آزمودہ کار اپنے لئے پناہ ڈھونڈھتا۔وہ اپنا سب کچھ دوسروں کو دیتا تھا صرف اسی کوشش میں کہ اس کو کوئی چیز،کوئی بہانہ دل کی تسکین کامل جائے محبت،دوستوں کی محبّت ، دوسروں پر مہربانیاں،دوسروں کی خطاؤں پر نگاہ کرم اس سب کے درمیان اس کی روح تنہا اور بیار و مددگار تھی اور زندگی کی خزاں کا موسم قریب آچکا تھا"۔

اجمل خان اپنے دل میں لاکھ دکھ درد چھپا کر دوسروں کے دکھ درد کو دور کرتے تھے اس کی کئی مثالیں مصنف نے اس خاکے میں دی ہیں۔اجمل خان نے اپنی تنگ دستی میں کبھی قرض نہیں لیا لیکن دوسروں کی مدد کے لیے قرض لیتے تھے۔جہاں کہیں سے کوئی رقم ان کو ملتی اس میں سے وہ اوروں کی مدد کیا کرتے تھے۔اسی ضمن میں مصنف نے اجمل خان کا ۱۹۲۱ء کا ایک واقعہ بیان کیا ہے۔اس زمانے میں ان کی مالی حالت نہایت کمزور تھی۔ان کی بیٹی کی صحت خراب رہتے تھی اس لیے وہ بیٹی کے ساتھ تمام اہل وعیال کو موسمِ گرما میں کسی صحت افزا پہاڑی علاقے میں لے جایا کرتے تھے۔اس زمانے میں وہ ''سولن'' میں تھے۔سیاسی کاموں کی وجہ ان کو ملک کے مختلف علاقوں میں بلایا جاتا تھا۔اس دوران میں وسط ہندوستان بلاوا آیا تھا اور لکھنوء میں خلافت کمیٹی کی میٹنگ بھی تھی۔اسی زمانے میں لکھنو میں خلافت کانفرنس کا ایک اہم جلسہ ہونے والا تھا اس لیے وہ کسی طرح اس اجلاس سے غیر حاضر نہ ہونا چاہتے تھے۔بہ ہزار مشکل ریاست کی دعوت قبول کرنے پر آمادہ کیا گیا اور خدا خدا کر کے تشریف لے گئے۔دس روز بعد تشریف لائے۔سہ پہر کو سولن پہنچے۔کوٹھی پر آتے ہی اسی نیازمند کو الگ لے جا کر فرمایا۔دس ہزار لے آیا، یہ چھ ہزار تم اپنے پاس رکھو ایک کام ہے جو بعد کو بتاوں گا اور چار ہزار روپیے بیگم صاحبہ کو دے آتا ہوں، یہ فرما کر اور ہزار ہزار روپیہ کے چھ نوٹ دے کر باقی روپیہ گھر لے گئے۔صبح کو جب دریافت کیا گیا تو وہ چھ ہزار کس غرض کے لئے رکھے ہیں تو فرمایا کہ بھائی کئی مہینے ہوئے میں خلافت کمیٹی سے چندے کا وعدہ کر چکا تھا اس زمانے میں روپیہ پاس نہ تھا اس لئے اب تک وہ وعدہ پورا نہ کر سکا۔اب اتفاقاً تمہاری زبردستیوں سے یہ رقم آگئی ہے تو اس میں سے چھ ہزار آج ہی خلافت کمیٹی کو بھیج دوتا کہ میرا بوجھ ہلکا ہو جائے۔'' اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے مصنف کے لکھا ہے۔''عملی دنیا میں جب اپنے گھر کے لیے نا ہو، بہت کم ہمّت والے داد و دہش کر سکتے ہیں۔یہ اولوالعزمی اجمل خاں ہی کے لئے مخصوص تھی''۔

میرا خلاق حسین کے حوالے سے مصنف نے اس قسم کا ایک واقعہ بیان کیا ہے۔اجمل خان ''جامعیہ میلّہ اسلامیہ'' کے ذمہ داران میں سے مالی دشواری کی وجہ سے جامعہ کے اساتذہ کو تنخواہیں دے پا رہے تھے۔ان کی تنخواہ دینے کے لیے اپنی ایک ہیرے اور زمرد کی انگوٹھی فروخت کرنے کا فیصلہ کیا اور یہ ذمہ داری میرا خلاق حسین کو سونپی۔

اخلاق حسین نے یہ انگوٹھی آگرہ میں فروخت کرنی چاہی لیکن وہاں اس کی معقول رقم نہیں مل پا رہی تھی اس لیے دلی میں جوہریوں سے قیمت معلوم کر رہے رہے تھے۔ اخلاق حسین چاہتے تھے ان انگوٹھیوں کی فروخت سے اجمل خان کو زیادہ سے زیادہ رقم مل سکے۔ اسی زمانے میں مہاراجہ بوندی بیمار ہوئے اور حکیم صاحب کو کئی مرتبہ ان کے علاج کے لیے بوندی جا کر قیام فرمانا پڑا اور جامعہ کی قسمت سے ایک معقول رقم مل گئی۔ اس ضمن میں مصنف نے میرا خلاق حسین کا بیان نقل کیا ہے:

''کوٹا سے دہلی کو واپس تشریف لاتے ہی میں نے بیان کیا کہ اب تو خدا کے فضل سے جامعہ کے لئے انتظام ہو گیا۔ اب غالبًا انگشتریوں کے فروخت کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ اگر حکم ہو تو وہ جمیل خاں کو دے دی جائیں۔ فرمانے لگے، خدا کا شکر ہے اس نے مجھے جامعہ کے قرض سے سبکدوش کر دیا۔ اب خداوند کریم کوئی ایسی صورت پیدا کر دے کہ طبیہ کالج کی طرح جامعہ کی مالی حالت بھی مضبوط ہو جائے۔ مجھے ذرا فرصت ملے تو میں جامعہ کے لئے دو چار سفر کروں۔ مجھے خدا سے امید ہے کہ اب جلد جامعہ کی مالی حالت درست ہو جائے گی۔۔۔"

اجمل خان غریبوں اور ضرورت مندوں کا خیال ان کو ہمیشہ رہتا تھا۔ مصنف نے محمد اکرام کے حوالے سے ایک واقعہ تحریر کیا ہے۔ اجمل خان نے ایک دفعہ بلّی ماران کے غریب اور ضرورت مند باشندوں کی ایک فہرست تیار کرائی تا کہ ان کی مدد کر سکیں۔ فہرست بناتے وقت اجمل خان نے محمد اکرام سے کہا کہ: ''مجھے یہ دیکھنا ہے کہ میں دو وقت روٹی کھا لیتا ہوں مگر میرے محلے کے کتنے ایسے انسان ہیں جن کو ایک وقت بھی مل جاتی ہو''۔ اس واقعہ سے ان کے خدمت خلق کے جذبے کا اندازہ ہوتا ہے۔

اجمل خان کی غریبوں اور ضرورت مندوں کی مدد کے متعلق مصنف نے ''مولوی کفایت اللہ'' کے حوالے سے ایک اور واقعہ ایک بیان کیا ہے جس کا ذکر مولوی کفایت اللہ نے اپنی ایک تحریر میں کیا تھا مولوی کفایت اللہ لکھتے ہیں:

''مجھے تفصیلی حالات تو معلوم نہیں کیوں کہ تمام داد و دہش بے حد خاموشی اور پوشیدگی کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ تاہم جہاں تک ان کے معتمد کارکن سے معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ کتنی بیواؤں اور یتیموں کے ماہانا وظائف اور کتنے ہی غریبوں اور حاجت مندوں کی یک مشت عطیات سے دستگیری ہمیشہ جاری رہتی تھی اور اس میں ماہانا بڑی گراں قدر رقم خرچ ہو جایا کرتی تھی، مگر سوائے ان کے معتمد کارکنوں یا ان لوگوں کے جو مستفید ہوتے تھے اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی تھی۔ بیش قیمت دواؤں کی تقسیم اور غربا کے ساتھ ان کی ہمدردی معروف و مشہور ہے۔"

مصنف نے اجمل خان کی انسانیت اور انسان دوستی کی مثال درج کی ہے۔ یہ مثال انھوں نے اجمل خان کے نہایت قریبی دوست مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب شیروانی کے حوالے سے دی ہے۔ شیروانی نے اجمل خان کی

محبتوں اور وضعداریوں کا ماتم اسطرح کیا ہے:

''دنیا میں آدھی صدی کے زمانہ میں کیا تغیرات نہ ہوئے۔اختلافات وہ پیش آئے جوخرمنِ محبت کو پھونک دینے کے لئے کافی تھے۔ پہلے ترکِ موالات کے زمانے میں اجمل خاں ایک میدان میں تھے اور میں دوسرے میں۔بعض انتہائی نازک موقعوں پر مقابلہ ہوگیا۔مگر اجمل خاں! تجھ پر خدا کی رحمت۔اُف تلخ تجربوں میں کبھی تیری نگاہ میں تیزی، تیرے لب و لہجے میں گرمی نہ پائی۔جب ملاقات ہوئی تو وہی اک دریوالا یک رنگ مہربان تھا، وہی شیریں کلامی، وہی نگاہ میں موہنی تھی۔کاش کوئی اس عہد کے لوگوں سے کہہ دے کہ سیاسی اختلاف کیسا ہی شدید رہا ہو ہماری نجی ملاقاتوں میں سوائے علمی اور محبت کی باتوں کے کوئی تذکرہ نہ آیا۔اس لئے جب ملے اُنس اور ربط کی فضا میں۔"

قاضی عبدالغفار نے اپنے اس خاکے میں اجمل خان کی سیرت وشخصیت کے خوبیاں بیان کرتے ہوئے خاکے کا اختتام اسطرح کیا ہے۔

''کون نہیں جانتا کہ وہ کس قدر فہمِ عامہ رکھتے تھے اور کس قدر جلد طویل معاملہ کے اصل نکتہ کو پا جاتے تھے۔کتنا ہی الجھا ہوا معاملہ ہے۔تھوڑی سی گفتگو کے بعد حقیقتِ حال ان کی گرفت میں آجاتی تھی اور جب وہ نکتہ کو پکڑ لیتے تھے تو پھر اس کو چھوڑتے نہ تھے۔صحیح چیز کو صحیح نقطۂ نظر سے دیکھتے تھے۔وہ سمجھتے تھے کہ معاملات میں صحیح اصول سے ہٹ کر کدھر ہی جائے، باقی سب راستے ٹیڑھے ہوں گے۔ہر لفظ اور ہر رائے جو ان کی زبان سے ادا ہوتی تھی اس پر ہمیشہ فہمِ عامہ کی مہر ہوتی تھی اور فہمِ عامہ ہی اجمل خاں کی دماغی شخصیت کا بہت بڑا وصف تھا''۔

خود کو جانچنے کے لیے سوالات۔۲

سوال نمبر1:۔ مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات ایک جملے میں دیجیے۔

(۱) اجمل خان کی لازوال مسکراہٹ اور دل نواز بذلہ سنجی میں ایک گہرے۔۔۔۔۔کی تلافی شامل تھی۔

(جذبہ، غم، درد، طرب)

(۲) لوگ کہا کرتے تھے حکیم صاحب ۔۔۔۔۔۔۔ کے بنے ہوئے تھے۔

(لوہے، موم، مٹی، پتھر یا فولاد)

(۳) کمزور صحت کی وجہ سے اجمل خان اپنی صاحبزادی کو ہر سال گرمیوں میں کسی۔۔۔۔۔۔مقام پر لے جاتے تھے۔

(پہاڑی، کشمیر، سویزرلینڈ، ہانگ کانگ)

(۴) بعض اوقات سینکڑوں اور ہزاروں کی رقم ۔۔۔۔۔۔۔کے ہاتھ سے بہ یک وقت اہلِ غرض کی جیب میں جاتی تھیں۔
(اجمل خاں، مولوی اکرام، حبیب الرحمٰن خان شیروانی، مولوی کفایت اللہ)

جوابات : (۱) غم، (۲) پتھر یا فولاد ، (۳) پہاڑی ، (۴) اجمل خان۔

سوال نمبر2:۔ درج ذیل سوالوں کے جوابات مختصراً دیجیے۔

(۱) حکیم اجمل خان کے اہل وعیال کے ''سولن'' کے قیام کا واقعہ بیان کیجیے۔

(۲) اجمل خان کے متعلق میر اخلاق حسین کے خیالات بیان کیجیے۔

(۳) اجمل خان کے متعلق مولوی کفایت اللہ کے خیالات بیان کیجیے۔

(۴) اجمل خان کے متعلق مولوی حبیب الرحمٰن خان شیروانی کے خیالات بیان کیجیے۔

سوال نمبر3:۔ درج ذیل سوالوں کے جوابات مفصل تحریر کیجیے۔

(۱) خاکہ ''حکیم اجمل خان'' سے آپ نے کیا حاصل کیا؟

(۲) قاضی عبدالغفار کا مختصر تعارف دیتے ہوئے خاکہ ''حکیم اجمل خان'' کا اجمالی جائزہ لیجیے۔

(۳) میر اخلاق حسین، مولوی کفایت اللہ اور مولوی حبیب الرحمٰن خان شیروانی کے حوالے سے حکیم اجمل خان کے حالات وکوائف بیان کیجیے۔

3.3 خودآموزی کے لیے سوالات

سوال نمبر1:۔ مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات ایک جملے میں دیجیے۔

(۱) مصنف اقبالؔ سے ملنے ان کی کوٹھی پر گئے تو وہ اس وقت کہاں جانے کی تیاری کررہے تھے؟

(۲) اقبالؔ نے اپنے نوکر کو قلم لانے کے لئے کس زبان میں کہا؟

(۳) اجمل خاں کی غم نصیبی میں ان کی کس طرح کی زندگی پوشیدہ تھی۔

(۴) ۱۹۲۱ء کے موسمِ گرما میں حکیم اجمل خان اور ان کے اہل وعال کہاں پر میں مقیم تھے۔

(۵) کس کے پاس ایک الماس کی انگشتری اور ایک انگوٹھی تھی۔

اوپر دئے گئے سوالات کے جوابات 3.2.1 سے لے کر 3.2.3 میں تلاش کریں۔

سوال نمبر2 :۔ مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات مختصراً دیجیے۔

(۱) اقبال کے خطوط میں کون سی خوبیاں دیکھائی دیتی تھی؟

(۲) اقبال کے بات کرنے کا انداز کس طرح کا تھا؟

(۳) رشید احمد صدیقی کی علمی ادبی خدمات کا جائزہ لیجیے؟

3.3 خلاصہ

اردو کے مشہور و معارف ادیب اور طنز و مزاح نگار کی حیثیت سے جانے اور پہچانے والے رشید احمد صدیقی کی ذات ہے۔ آپ ۱۸۹۵ء میں جونپور کے ایک قصبے ''مڑیاہوں'' میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اُس زمانے کے عام رواج کے مطابق گھر پر ہی عربی اور فارسی سے ہوئی۔ رسمی تعلیم کے لیے انھیں جونپور کے اسکول میں داخل کیا گیا۔ یہاں انھوں نے بورڈنگ میں رہ کر تعلیم پائی۔ ثانوی تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ نے کچہری میں نقل نویسی کی ملازمت اختیار کی۔ رشید احمد صدیقی نے مزاحیہ مضامین لکھنے کے ابتداء کی۔ قائین نے اسی زمانے میں آپ کے مضامین مقبول ہونے لگے اور آپ کے قارئین کا ایک حلقہ بننا شروع ہوا۔

رشید احمد صدیقی کا مشہور و معارف خاکہ ''سر محمد اقبال'' اس نصاب میں شامل کیا گیا ہے۔ رشید احمد صدیقی نے سر محمد اقبال کا خاکہ تحریر کیا ہے جس میں انھوں نے اقبال کے حالا زندگی، ان کی ادبی خدمات اور ان کی سوانح عمری کو بڑے ہی مفصل انداز میں تحریر فرمایا ہے۔ جس کا مطالعہ کرنے کے بعد محمد اقبال کی تمام زندگی ہمارے سامنے آئینہ کی طرح کھل جاتی ہے۔ اقبال کی ادبی خدمات، زندگی اور سوانح کو رشید احمد صدیقی نے اپنے خاکہ میں قلم بند کیا ہے۔

قاضی عبدالغفار اُردو کے معروف سوانح نگار، ناول نگار، مقالہ نگار اور صحافی گزرے ہیں۔ آپ کی ابتدائی تعلیم مرادآباد میں ہوئی۔ اعلیٰ تعلیم علی گڑھ میں حاصل کی۔ آپ نے آپ نے اپنی عملی زندگی کا آغاز صحافت سے کیا تھا۔ آپ نے کئی تصانیف تحریر فرمائی۔ ساتھ ہی آپ ''انجمن ترقی اردو (ہند) کے سیکریٹری کی حیثیت سے کام کیا۔ انجمن کے ترجمان ''ہماری زبان'' مدیر رہے۔

قاضی عبدالغفار اردو کے مشہور خاکہ نگار بھی ہیں۔ انھوں نے ''حکیم اجمل خان'' خاکہ تحریر کیا ہے۔ اس میں اجمل خاں کے حالات زندگی، ان کی جدوجہد، ان کی خبیوں کو نہایت ہی اچھے طریقے سے پیش کیا ہے۔ ساتھ ہی اس خاکہ کا مطالعہ کرنے کرنے بات حکیم اجمل خان کی پوری زندگی اور ان کی سوانح حیات کا پتہ چلتا ہے۔

3.3 مشقی سوالات

سوال نمبر1 :۔ مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات ایک جملے میں دیجیے۔

(۱) اُس زمانے میں اقبالؔ کا کونسا نظریہ چرچا تھا؟

(۲) اقبالؔ فقہٗ اسلامی میں اجتہاد کے مسئلہ میں کس زبان میں کتاب لکھ رہے تھے۔

(۳) نوجوان شاعر اقبالؔ کو اپنا کونسا کلام سنا رہا تھا؟

(۴) فہمِ عامہ ہی کس کی شخصیت کا بہت بڑا وصف تھا۔

(۵) کس مہینے سے جامعہ ملیہ کے اساتذہ کی تنخواہیں نہیں دی گئیں تھی۔

سوال نمبر2 :۔ مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات مختصراً دیجیے۔

(۱) اقبالؔ کے وفات پر رشید احمد صدیقی نے کیا کہا؟

(۲) اقبال کی خوبیاں بیان کیجیے؟

(۳) اجمل خان غریبوں اور ضرورت مندوں کی مدد کس طرح کرتے تھے۔

(۴) اجمل خاں کی شخصیت میں کون سی خوبیاں پائی جاتی تھی؟

سوال نمبر3 :۔ مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات مفصل دیجیے۔

(۱) رشید احمد صدیقی کا تعارف پیش کیجیے؟

(۲) قاضی عبدالغفار کا تعارف پیش کیجیے؟

(۳) خاکہ ''اجمل خاں'' کا خلاصہ پیش کیجیے؟

(۴) خاکہ ''سر محمد اقبال مرحوم'' کا خلاصہ تحریر کیجیے؟

3.3 الفاظ ومعنی

الفاظ	معنی
مرحوم	جس کا انتقال ہوگیا ہو۔
خاکہ	اسکیچ
اساتذہ	استاد
گائڈ	رہنماء
برس	سال
بذرگی	بڑھاپے کی عمر

3.3 حوالہ جاتی کتب

(۱) اردو خاکہ نگاری	محمد حسین آزاد
(۲) اردو میں خاکہ نگاری	نثار احمد فاروقی
(۳) خاکہ نگاری کا فن اور چند ہم عصر	سید حامید حسین
(۴) خاکہ نگاری کا فن اور چند اہم عصر	سید حامد حیسین
(۵) اردو ادب میں خاکہ نگاری	صابرہ سعیدہ

باب 04 :۔ اردو کے منتخب خاکہ نگاروں کا مطالعہ

فہرست

4.0 مقاصد

4.1 تمہید

4.2 موضوع کی وضاحت

4.2.1 مولوی عبدالحق کا تعارف اوران کی خاکہ نگاری

4.2.2 رشید احمد صدیقی کا تعارف اوران کی خاکہ نگاری

4.2.3 قاضی عبدالغفار کا تعارف اوران کی خاکہ نگاری

4.3 خود آموزی کے لیے سوالات

4.4 خلاصہ

4.5 مشقی سوالات

4.6 الفاظ و معنی

4.7 حوالہ جات کتب

4.0 مقاصد

اس باب کے مطالعہ کے بعد طلباء۔۔۔

- مولوی عبدالحق کا تعارف اوران کی خاکہ نگاری کا جائزہ لے سکیں گے۔
- رشید احمد صدیقی بحیثیت خاکہ نگاران کا تعارف پش کرسکیں گے۔
- قاضی عبدالغفار کا تعارف اوران کی خاکہ نگاری کی خصوصیات بیان کرسکیں گے۔
- اردو کے خاکہ نگاروں کا تعارف ان کی خصوصیات بیان کرسکیں گے۔

4.1 تمہید

اس اکائی میں ہم اردو ادب کے مشہور و معارف خاکہ نگار مولوی عبدالحق، رشید احمد صدیقی اور قاضی عبدالغفار خان کے حالات زندگی کے بارے میں معلومات حاصل کرسکیں گے۔ ساتھ ان خاکہ نگاروں کا تعارف سے بھی واقف ہوسکیں۔ اس کے علاوہ اس اکائی میں خاکہ نگاروں نے تحریر کیے ہوئے خاکہ جن میں مولوی عبدالحق کا خاکہ ''نام دیو مالی''، چند ہم عصر اور رشید احمد صدیقی کے خاکے ''ہم نفستہ رفتہ، خنداں اور گنج ہائے گرایا مایاں وغیرہ کا جائزہ لے سکیں گے۔ اس کے علاوہ قاضی عبدالغفار خان کا خاکہ ''حکیم اجمل خاں'' پر تبصرہ کیا گیا ہے۔

4.2 موضوع کی وضاحت

4.2.1 مولوی عبدالحق کا تعارف اور ان کی خاکہ نگاری

(الف) مولوی عبدالحق کا تعارف

مولوی عبدالحق اُردو کے نامور محقق، ماہر لسانیات، خاکہ نگار تھے۔ آپ ۱۸۷۰ء میں ہاپڑ ضلع میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے محمڈن اینگلو اورینٹل کالج (ایم۔ائے۔او۔ کالج) علی گڑھ تشریف لے گئے۔ سرسید احمد خان سے آپ کے تعلقات بہت اچھے تھے۔ ان کی صحبت سے فیض پایا۔ سرسید نے تصنیف و تالیف کا کچھ کام ان کے سپرد کیا تھا جس کی بدولت ان کی ادبی صلاحیتیں پروان چڑھی۔ یہیں ان کی ملاقات مولانا الطاف حسین حالؔی اور محسن الملک سے بھی ہوئی۔ ان بزگروں سے فیضانِ علم و ادب حاصل کیا۔ عبدالحق نے ان دونوں بزرگوں کے خاکے بھی لکھے ہیں جو ان کی کتاب ''چند ہم عصر'' میں شامل ہیں۔

تعلیم مکمل کرنے کے بعد مولوی عبدالحق ذریعۂ معاش کی تلاش میں حیدآباد دکن گئے اور ایک اسکول میں مدرس کی نوکری اختیار کی۔ اسی شعبہ میں ترقی کرتے کرتے مدارس کے انسپکٹر ہوئے۔ ۱۹۱۷ء میں کچھ عرصے کے لئے عثمانیہ یونیورسٹی کے شعبۂ ترجمہ سے جڑے رہے بلآ کر اورنگ آباد کالج میں پرنسل کے عہدے پر فائز ہوئے۔ یہاں سے پھر حیدآباد چلے گئے اور یہاں عثمانیہ یونیورسٹی کے شعبۂ اُردو کے صدر مقرر ہوئے۔ وظیفہ یابی کے بعد دہلی چلے گئے اور انجمن ترقی اُردو کی خدمت میں مصروف ہوگئے۔ تقسیمِ ہند کے بعد کراچی چلے گئے اور وہاں بھی اُردو کی خدمت میں ہمہ تن مصروف ہوگئے۔ اُردو زبان و ادب کی بے لوث خدمت کے باعث آپ کو بابائے اُردو کہتے ہیں۔

۱۹۶۱ء میں آپ اس دارِفانی سے کوچ کر گئے۔

مولوی عبدالحق کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے دکنی ادب کی بہت سی نایاب کتابیں ڈھونڈ نکالی اور ان کو ازسرِنو شائع کیے۔آپ کی بدولت قدیم اُردو کا بیش بہا سرمایہ ہم تک پہنچا ہے۔ان کتابوں پر عبدالحق نے مقدمے لکھے۔ان کی اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالی۔مصنفین کے حالاتِ زندگی دریافت کیے۔ان کے علمی کارناموں پر روشنی ڈالی اور ہم تک یہ علمی وادبی خزانہ پہنچایا۔انہوں نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں ان میں سے چند کے نام یہاں درج کیے جاتے ہیں۔ چندہم عصر،قواعدِ اُردو،نصرتی،مرہٹی زبان پر فارسی کا اثر،اُردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا حصہ،وغیرہ۔

(ب) مولوی عبدالحق کی خاکہ نگاری

مرزا فرحت اللہ بیگ نے اُردو میں خاکہ نگاری کی بنیاد ڈالی اور مولوی عبدالحق نے اس کی ترقی میں چار چاند لگادیے۔عبدالحق اُردو کے اہم ترین خاکہ نگاروں میں سے ایک ہیں۔مندرجہ ذیل نکات کی روشنی میں ان کی خاکہ نگاری کا جائزہ لیا جارہا ہے۔

(۱) خاکہ نگاری کی ابتداء۔

(۲) عبدالحق کے خاکوں کی تصنیف ''چندہم عصر''۔

(۳) عام شخصیتوں پر خاکے۔

(۴) خاکہ نگاری کی خصوصیات۔

(۵) اسلوب۔

(۱) خاکہ نگاری کی ابتداء

اُردو خاکہ نگاری کی تاریخ عبدالحق کے ذکر کے بغیر ادھوری ہے۔فرحت اللہ بیگ نے اُردو میں اس صنف کی بنیاد ڈالی لیکن اس کو کامیابی سے آگے بڑھانے کا کام عبدالحق نے کیا اس لئے ان کا شمار اُردو کے اہم ترین خاکہ نگاروں میں ہوتا ہے۔انہوں نے اُردو میں خاکہ نگاری کے معیار کو بلندیوں پر پہنچا کر اسے وقار بخشا۔اُن کے خاکے،خاکہ نگاری کے فن پر پورے اترتے ہیں بلکہ انہوں نے اُردو خاکہ نگاری کو نئی جہت عطا کی۔

(۲) عبدالحق کے خاکوں کی تصنیف ''چندہم عصر''

مولوی عبدالحق کے کل کتنے خاکے لکھے اس کے متعلق الگ الگ رائے پائی جاتی ہے۔ ایک نقاد نے ان کے کل خاکوں کی تعداد ۲۴ بتائی ہے۔ان کے خاکوں کی کتاب ''چندہم عصر'' کے نام شائع ہوئی اب تک اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے ہیں۔انجمن ترقی اُردو (ہند) سے۲۰۰۴ء میں جونسخہ شائع ہوااس میں ان کے خاکوں کی کُل تعداد ۱۵ ہے۔اس نسخے میں شامل خاکوں کی فہرست اسطرح ہے۔

۱) منشی امیر احمد صاحب، مرحوم۔ ۲) پروفیسر مرزا حیرتؔ۔
۳) سید محمود، مرحوم۔ ۴) مولوی چراغ علی، مرحوم
۵) مولوی محمد عزیز مرزا، مرحوم۔ ۶) شمسُ العلما ڈاکٹر سیّد علی بلگرامی، مرحوم
۷) خواجہ غلامُ الثقلین، مرحوم ۸) حکیم امتیاز الدین۔
۹) مولانا وحیدالدین، مرحوم۔ ۱۰) گُدڑی کا لال نور خان۔
۱۱) محسن الملک۔ ۱۲) مولانا محمد علی، مرحوم۔
۱۳) شیخ غلام قادر گرامیؔ۔ ۱۴) حالیؔ۔
۱۵) نام دیو۔ مالی۔

(۳) عام شخصیتوں پر خاکے

مولوی عبدالحق نے اردو ادب میں بڑی تعداد میں خاکے لکھے ہیں یہ خاکے جہاں بہت سے لوگوں کی شخصیت کو سمجھنے میں ہماری مدد کرتے ہیں وہاں ہمیں خود مولوی عبدالحق کے بارے میں بہت کچھ معلومات فراہم کرتے ہیں۔آپ نے بڑے بڑے ادیبوں شاعروں اور تعلیم کے ماہرین کے خاکے تحریر کیے لیکن آپ نے چھوٹے اور عام لوگوں کو نظر انداز نہیں کیا ہے۔اس سلسلے میں ان کے دو خاکے کے نام دیو مالی، گدڑی کا لال اور نور خان قابل ذکر ہیں ان کی وسیع خیالی ہی نے ان سے دو ایسے خاکے لکھوائے ہیں جو شاعر ہیں نہ ادیب، نہ قوم کے معمار، نہ سیاست دان بلکہ یہ انتہائی معمولی حیثیت کے عام انسان ہیں۔ایک مالی ہے اور دوسرا سپاہی ہے لیکن ان کے کردار کی بعض خصوصیات جو غیر معمولی تھی ان سے مولوی عبدالحق اتنے متاثر ہوئے کہ ان کی تصویروں کو اوراق پر قلم بند کر کے انہیں ہمیشہ کے لئے زندہ جاوید

بنا دیا۔ نام دیو مالی ''مقبرہ رابعہ درانی کے باغ'' کا مالی تھا۔ یہ باغ مولوی عبدالحق کی نگرانی میں تھا۔مولوی عبدالحق نے نام دیوکو بہت قریب سے دیکھا تھا۔نام دیو کے متعلق وہ لکھتے ہیں :

''یہ مالی تھا تو معمولی لیکن بڑی خوبیوں کا مالک دن رات محنت کرتا، جھاڑوں اور پودوں سے بچوں کی طرح پیار کرتا اور تھی بھی اس کی کوئی اولاد نہیں۔ یہی جھاڑ درخت وچمن وگلزار اس کا سرمایہ حیات تھا جن کو دیکھ کر خوش ہوتا اور زندہ رہتا ایک مرتبہ قحط پڑا۔ پانی کی چاروں طرف تکلیف ہوگی۔انسانوں کو پانی نہ ملتا تھا لیکن نام دیر دور سے کیچڑ کی طرح کا پانی لاکر اپنے پودوں کو دیتا اس کے لیے دن رات وقف کرتا تھا لیکن دل کا غنی کسی قسم کی کوئی طلب اسے نہ تھی صرف کام کی طلب تھی اور بس آخر ایک دن باغ میں شہید کی مکھیوں نے اسے شہید کر دیا اور یہ معمولی آدمی اپنے بعد اپنی بڑی بڑی خوبیاں دنیا کے سامنے چھوڑ دیا".

دوسرا خاکہ بھی ایک معمولی اور عام انسان کا ہے جس کا عنوان ''گدڑی کا لال نورخان'' ہے۔ نورخان ایک سپاہی ہے اس کی شخصیت کے متعلق مولوی صاحب لکھتے ہیں :

نورخان کو نیک نفسی ''حق گوئی خودداری'' شرافت ایمانداری اور مزاج کے تیکھے پن نے زندگی بھر انھیں مصائب وآلام میں گرفتار رکھا ان کی گردن کئی بار کٹی مگر جھکی ایک دفعہ بھی نہیں وہ حساب کے کھرے اور دل کے کھرے تھے اور آخر میں نورخان کی قدر افزائی میں لکھتے ہیں کہ:

''قومیں ایسے ہی لوگوں سے بنتی ہیں کاش ہم بہت سے نورخان ہوتے"

ان دونوں کرداروں میں ایک خاص خوبی یہ تھی کہ وہ کسی کی مدد کے محتاج نہیں تھے وہ جو کچھ بھی کرتے اپنے ہی بل بوتے پر کرتے یہ چیز مولوی عبدالحق کو بہت پسند آئی۔عبدالحق نے ان کی اس صفت کو خدا کی بہت بڑی نعمت اور بڑے پن کی علامت قرار دیا۔عبدالحق نے ہر شخص کے کردار میں انسان دوستی کی صفات کو تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مولوی عبدالحق کے وسیع حساس قلب نے 'انسان دوست وغم خوار دل میں ایک ادنی مالی سے لے کر حالؔی اور سرسید جیسی عظیم شخصیتوں تک کے لیے یکساں احساس ملتا ہے۔وہ عظمت شان وشوکت اور شہرت کے پرستار نظر نہیں آتے ہیں۔ آپ کا معیار انسانیت ہے۔وہ نام سے زیادہ کام کی ستائش کرتے ہیں اور خود اس رجحان کی تصدیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''دولت مندوں امیروں اور بڑے لوگوں ہی کے حالات لکھنے اور پڑھنے کے قابل نہیں ہوتے بلکہ غریبوں میں بھی بہت سے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی زندگی ہمارے لیے سبق آموز ہوسکتی ہے۔انسان کا بہترین مطالعہ انسان ہے اور انسان ہونے میں امیر وغریب کا کوئی فرق نہیں".

(۴) خاکہ نگاری کی خصوصیات

مولوی عبدالحق نے جن شخصیتوں پر قلم اٹھایا ہے وہ صرف مخصوص نامور اشخاص ہی نہیں بلکہ معمولی و عام ہستیاں بھی ہیں جو راست گوئی، جفاکشی، وضع داری، انسان دوستی کی بہترین مثالیں ہیں اور ان کے حالات و واقعاتِ زندگی قابل تعریف ہیں۔

مولوی عبدالحق کے مرقعوں میں خاکے کی جو خصوصیات ملتی ہیں وہ اس طرح سے ہیں:

(1) شخصیت کی عکاسی میں غیر جانبداری ہے۔

(2) شخصیت سے ہمدردی کا اظہار خاکے میں موجود ہے۔

(3) وہ خود خان کے کینوس پر بہت کم نظر آتے ہیں۔

(4) محاسن و مصائب بیان کرنے میں دوستی، تعلقات، شخصیتوں کی عظمت و شہرت کی کبھی بھی پرواہ نہ کی۔

(5) مولوی عبدالحق نے ان ہی شخصیتوں کی تصویر پیش کی ہے جس سے ان کا زندگی میں واسطہ پڑا تھا۔

(6) مولوی عبدالحق نے شخصیتوں کی خوبیوں اور خامیوں کو اس طرح بے نقاب کیا ہے کہ ان شخصیتوں کی کردار کی سچی تصویر قاری کے سامنے آجاتی ہے۔

(7) ان کے خاکوں میں شخصیتوں کو مختلف تحریروں کے آئینے میں دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ مولوی عبدالحق نے بے باکانہ انداز میں جو لکھا ہے وہ حقیقت پر مبنی ہے۔

(8) بے باک نگاری کی ایک تصویر سید محمود کا خاکہ ہے جو عبدالحق نے ان کی وفات کے موقع پر پڑھا تھا۔ اس کے علاوہ بہت سے اشخاص پر بے باکانہ قلم اٹھایا ہے۔ اس قسم کی مثالیں ہم کو ''چند ہم عصر'' میں دیکھنے کو ملتی ہیں۔

مولوی عبدالحق نے ہر شخص کے کردار میں انسان دوستی کی صفت کو تلاش کیا ہے۔ وہ اپنی زندگی میں سیکڑوں اشخاص سے ملے ہیں۔ ان میں عالم فاضل بھی ہیں۔ ادیب و شاعر بھی ہیں۔ صاحبِ ثروت بھی ہیں۔ مفکر اور مجتہد بھی ہیں لیکن انھیں دو چار ہی ملے ہیں جن میں انسانیت بھی ہے اور ایسے افراد بہت کم نظر آتے ہیں۔

(۵) اسلوب

بحیثیت خاکہ نگار مولوی عبدالحق کا درجہ بہت بلند ہے ان کی خاکہ نگاری کے اعلیٰ نمونے ''چند ہم عصر'' میں نظر آتے ہیں۔ جس خلوص اور لگن سے وہ کام کرتے ہیں ان کی تحریروں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولوی عبدالحق کی تحریروں میں بددلی اور تھکن کا احساس ہے ہی نہیں۔ ان کے خاکوں میں جو چیز سب سے زیادہ اہم ہے وہ ان کی تحقیقی نظر اور اسلوب بیان ہے۔

آپ بنیادی طور پر محقق اور نقاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔اس لئے آپ کے خاکوں میں تنقیدی بصیرت کا بھی اثر پایا جاتا ہے وہ روزمرہ کے محاورات بھی بڑے فنکارانہ انداز میں پیش کرتے ہیں۔نورخان، نام دیو مالی، حالؔی، اور سید محمود جیسے ماہر اشخاص ادیب اور شاعر کے خاکے دلچسپ اور قابل ذکر ہیں۔ ان خاکوں میں شخصیت کی اخلاقی پہلو اور ایثار و قربانی کو نمایاں کیا گیا ہے۔مولوی عبدالحق کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ خود خاکے کینوس پر بہت کم نظر آتے ہیں۔

اخبار اودھ نامہ میں شمیلہ ملک نے اپنے ایک مضمون میں عبدالحق کے اسلوب کے بارے میں یوں لکھا ہے:

''عبدالحق کا اصل جوہر اسلوب بیان کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں عبارت آرائی اور محاورے کا بے جا استعمال نہیں ہے۔مولوی عبدالحق کا اسلوب سلیس اور واضح ہے۔آپ کی تحریروں میں سرسید جیسی سادگی ہے۔ان کے اسلوب کے جائزے سے پتہ چلتا ہے کہ جو چیز سب سے زیادہ نظر آتی ہے وہ عربی فارسی کے الفاظ کے مقابلے میں عام بول چال کی زبان، ان کے یہاں زیادہ نظر آتی ہے اور یہی ان کی سب سے بڑی خوبی ہے۔خوبصورت اسلوب کی وجہ سے ادیب اپنے پڑھنے والوں تک رسائی حاصل کرتا ہے اور ان کے دل میں گھر بنالیتا ہے۔ایک ادیب میں کم سے کم اتنی صلاحیت ضرور ہونی چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ ذہنوں کو مطمئن کر سکے۔یہ خصوصیت جتنی مولوی عبدالحق کے یہاں نمایاں ہیں اتنی کسی اور کے یہاں نہیں ملتی''۔

مولوی عبدالحق کی خاکوں میں ایک اور چیز جو سب سے زیادہ اپنی طرف توجہ مبذول کراتی ہے وہ ہے تاکیدِ الفاظ کا جوہر ہے۔ان کی نثر پر حالؔی کے اثرات نظر آتے ہیں۔اختصار اور جامعیت کے ساتھ کام لیتے ہیں۔ان کی تحریر میں سادگی، عام فہمی، سلاست اور بے تکلفی نظر آتی ہے۔ان کے خاکوں میں غیر جانبداری اور ذاتی اور عقلی فیصلے کا مخصوص انداز بیان بھی ملتا ہے۔آپ نے اکثر تنقید سے بھی کام لیا ہے۔ان کا طنز نہایت تیکھا اور غضبناک قسم کا دکھائی دیتا ہے۔

ایک اور نقاد مولوی عبدالحق کے اسلوب کے بارے میں لکھا ہے:

''ان کے مضامین کی تاریخ تصنیف میں طویل وقفوں کے حائل ہونے کے باوجود اول تا آخر ہر مضمون مولوی صاحب کے انفرادی اسلوب کی خصوصیات کی چمک سے منور نظر آتا ہے۔بحیثیت مجموعی اگر ''چند ہم عصر'' کو دیکھا جائے تو اس میں بہترین کردار نگاری کے نمونے بھی ملتے ہیں۔معروضی انداز بیان بھی موجود ہے۔ذاتی واقفیت اور سماجی پس منظر کی جھلکیاں بھی پائی جاتی ہیں۔مولوی صاحب صرف چند ہم عصر ہیں لکھتے اور کچھ نہ لکھتے تب بھی اُردو میں ان کا نام ہمیشہ عزت و احترام سے صاحب طرز انشا پردازوں کے ساتھ لیا جاتا۔غرض مولوی عبدالحق اُردو خاکہ نگاری میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

مشقی سوالات

سوال نمبرا:۔ مندرجہ ذیل خالی جگہ پر کیجیے۔

(۱) مولوی عبدالحق کے خاکوں کے مجموعے کا نام ۔۔۔۔۔۔۔ ہے۔

جواب: چند ہم عصر۔

(۲) انجمن ترقی اردو (ہند) سے سن ۲۰۰۴ء میں ''چند ہم عصر'' کا جو نسخہ شائع ہوا اس میں مولوی عبدالحق کے خاکوں کی تعداد ۔۔۔۔۔۔۔ ہے۔

جواب: پندرہ۔

(۳) مولوی عبدالحق کی تصنیف ''چند ہم عصر'' میں پہلا خاکہ ۔۔۔۔۔۔۔ کا ہے۔

جواب: منشی امیر احمد صاحب۔

(۴) مولوی عبدالحق نے بڑے بڑے ادیبوں شاعروں کے علاوہ ۔۔۔۔۔۔۔ پر بھی خاکے تحریر کیے ہیں۔

جواب: عام شخصیتوں۔

(۵) نام دیو مقبرہ رابعہ دورانی کے باغ کا ۔۔۔۔۔۔۔۔ تھا۔

جواب: مالی۔

(۶) نام دیو ۔۔۔۔۔۔۔۔ سے بچوں کی طرح پیار کرتا تھا۔

جواب: پودوں۔

(۷) مولوی عبدالحق نے نام دیو کے علاوہ ایک اور عام شخصیت ۔۔۔۔۔۔۔ پر بھی خاکہ تحریر کیا ہے۔

جواب: نور خان۔

(۸) نور خان ایک ۔۔۔۔۔۔۔ تھا۔

جواب: سپاہی۔

(۹) مولوی عبدالحق نے اپنے خاکوں میں شخصیت کی عکاسی میں ۔۔۔۔۔۔۔ سے کام لیا ہے۔

جواب: غیر جانبداری۔

(۱۰) مولوی عبدالحق کی تحریروں میں ۔۔۔۔۔۔۔۔ کا اثر نظر آتا ہے۔

جواب: حالی۔

سوال نمبر۲:۔ مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات مختصراً تحریر کیجیے۔

(۱) مولوی عبدالحق کا تعارف پیش کیجیے؟

(۲) مولوی عبدالحق کی تصنیف ''چند ہم عصر'' کے چند شاہ کار خاکوں کے نام لکھیے۔

(۳) مولوی عبدالحق کے اسلوب پر مختصر روشنی ڈالیے۔

(۴) مولوی عبدالحق کے خاکوں میں کون سی چیز سب سے زیادہ اپنی طرف توجہ مبذول کراتی ہے اس پر مختصر روشنی ڈالیے۔

(۵) نام دیو اور نور خان میں کون سی خوبیاں پائی جاتی ہیں؟ تحریر کیجیے۔

سوال نمبر۳:۔ مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات دس سے پندرہ سطروں میں تحریر کیجیے۔

(۱) مولوی عبدالحق کی خاکہ نگاری کا مفصل جائزہ تحریر کیجئے۔

(۲) مولوی عبدالحق کی تصنیف ''چند ہم عصر'' کا اجمالی جائزہ لیجیے۔

(۳) مولوی عبدالحق کی خاکہ نگاری کی خصوصیات بیان کیجیے۔

(۴) مولوی عبدالحق کے عام شخصیتوں پر لکھے گئے خاکوں پر روشنی ڈالیے۔

4.2.2 رشید احمد صدیقی کا تعارف اور ان کی خاکہ نگاری

(۱) رشید احمد صدیقی کا تعارف :

رشید احمد صدیقی اُردو ادب میں ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔اُردو کے صاحبِ طرز انشا پرداز، تنقید نگار، ظرافت نگار، طنز و مزاح نگار اور خاکہ نگار کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔غیر افسانوی نثر کی تقریباً تمام اصناف میں اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا اظہار کیا ہے۔رشید احمد صدیقی کا ادبی سفر علیگڑھ سے شروع ہوتا ہے۔علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں آپ نے شاگرد اور استاد کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دیے ہیں۔رشید احمد صدیقی بنیادی طور پر ایک طنز و مزاح نگار کی حیثیت سے مشہور ہیں۔لفظوں کے اُلٹ پھیر سے طنز و مزاح پیدا کر کے قاری کو لطف اندوز کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ان کے طنز کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ طنز کو اتنا عالمانہ اور شگفتہ انداز میں دکھاتے ہیں کہ ایک نقاد کے مطابق ''وہ ایشیا کے سب سے بڑے طنز نگار کے مقام پر جا پہنچے ہیں"

(۲) رشید احمد صدیقی کی خاکہ نگاری

رشید احمد صدیقی شخصی خاکہ نگاری کے فن کو فروغ دینے میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ان کی خاکہ نگاری میں انشاء پردازی کی خصوصیت نظر آتی ہے۔انھوں نے شخصیات کے ان ہی پہلوؤں کو پیش کیا ہے جن کو وہ اچھی طرح جانتے ہیں۔ شخصیات سے ذاتی وابستگی نے ان کے خاکوں کو کامیاب بنا دیا ہے۔کئی سالوں تک آپ نے اپنی ادبی صلاحیتیں صنف خاکہ نگاری کی نشو ونما پر مرکوز کر دی۔ان کا شمار اردو کے اہم مزاح نگاروں میں ہوتا ہے۔خاکہ نگاری میں رشید احمد صدیقی کی کامیابی کا ایک راز شخصیتوں کا انتخاب بھی ہے۔جس سے ان کے گہرے تعلقات تھے،انہیں اپنے خاکوں کا موضوع بنایا ہے۔اس کے لحاظ سے بھی ان کے ساتھ منفرد نظر آتے ہیں۔

(۳) رشید احمد صدیقی کے خاکوں کے مجموعے

رشید احمد صدیقی ایک صاحب طرز نثر نگار ہیں۔ان کے خاکوں کے مجموعوں میں ''گنج ہائے گراں مایہ''،ہم نفسان رفتہ'' قابل ذکر ہیں اور ایک طویل ''ذاکر صاحب'' کتابی صورت میں شایع ہوا ہے۔اس کے علاوہ ''آشفتہ بیانی میری''،''شیخ نیازی''،اور ''مضامین رشید'' میں بھی خاکہ نگاری کے نمونے مل جاتے ہیں۔

(الف) گنج ہائے گراں مایہ

''گنج ہائے گراں مایہ'' رشید احمد صدیقی کے خاکوں کا پہلا مجموعہ ہے۔یہ ۱۹۳۷ء میں شائع ہوا۔اس میں سولہ خاکے شامل ہیں۔یہ تصنیف علی گڑھ کے ماحول اور وہاں کی شخصیات کا بہترین مرقع ہے۔سید عبداللہ نے اس تصنیف کے متعلق لکھا ہے:

''گنج ہائے گراں مایہ میں جو تصویریں ہیں وہ اتنی روشن،واضح،اور دلکش ہیں کہ ان سے ہمارے ادب میں قابل قدر اضافہ ہوتا ہے۔اس تصنیف کا پہلا خاکہ ''محمد علی جوہر'' کے متعلق ہے۔یہ ایک تعارفی مضمون ہے۔مصنف نے اس خاکے میں محمد علی جوہر کے متعلق خوبصورت تاثرات کا اظہار کیا ہے۔اس کے علاوہ سید محفوظ علی کے بارے میں لکھا جانے والا خاکہ بھی تعریفی نوعیت کا ہے۔اس میں شخصیت کے بجائے مزاح نگاری کے پیرائے میں ان کے مقام و مرتبہ پر زیادہ توجہ دی گئی ہے۔سجاد حیدر یلدرم کی یاد میں ایک ایسا خاکہ تحریر کیا ہے جس میں یلدرم کی انشا پردازی اور ترکی ادب پر ان کی دسترس کی تعریف بیان کی ہے۔ان کے علاوہ مولانا سید سلیمان اشرف،اصغر گونڈوی،مولانا

ابوبکر، ایوب عباسی ،سید نصیرالدین علوی اور حسن عبداللہ کے خاکے ہر لحاظ سے معیاری ہیں ۔ان میں ایوب عباسی کے خاکے کی تقریباً تمام نقادوں اور ادیبوں نے تعریف کی ہے اور اسے رشید احمد صدیقی کے شاہکار خاکہ تسلیم کیا ہے۔ایوب عباسی کی شخصیت کسی عظمت کے حامل نہیں تھی اس لیے انہیں احترام ملحوظ رکھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی ۔یہی کیفیت نصیرالدین علوی کے خاکے میں بھی نظر آتی ہے کیونکہ نصیرالدین رشید احمد صدیقی کے اسکول اور کالج کے ساتھی تھے۔ان کا ذکر کرتے ہوئے بے تکلفی کا اظہار کیا ہے۔بے تکلف اور شوخ اسلوب کی وجہ سے یہ خاکہ بھی خاص بن گیا ہے۔بعض خاکوں میں واقعاتی عنصر غالب نظر آتا ہے چند کمزوریوں اور کوتاہیوں کے باوجود ''گنج ہائے گراں مایہ'' یہ مجموعہ رشید احمد صدیقی کا قابل قدر اور قابل ذکر مانا جاتا ہے''۔

(ب) ہم نفسان رفتہ

ہم نفسان رفتہ رشید احمد صدیقی کے خاکوں کا دوسرا مجموعہ ہے جو ۱۹۶۶ء میں شائع ہوا ہے۔ اس مجموعے میں سات شخصیات کے خاکے شامل ہیں جن کے نام اس طرح ہیں:

''شفیق الرحمٰن قدوائی ،مولانا سید سلیمان ندوی ،افضل العلماء، ڈاکٹر عبدالحق مرحوم ،نواب محمد اسماعیل خان مرحوم، مولانا ابوالکلام آزاد، پروفیسر احمد شاہ بخاری پطرس اور کندن ۔ہم نفسان رفتہ یہ مجموعہ رشید احمد صدیقی کا اہم کارنامہ ہے۔ان خاکوں کے اسلوب کی دلکشی کا راز یہ ہے کہ اس میں مرقع پیش کرنے کے بجائے کردار تخلیق کیے ہیں۔ اس مجموعے میں شفیق الرحمٰن قدوائی ،سید سلیمان ندوی اور ڈاکٹر عبدالحق کے متعلق لکھے ہوئے خاکے عمدہ خاکوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔مولانا آزاد کے خاکے میں ان کے کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے انہیں سرسید احمد خان کے ہم سر ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور پطرس بخاری کے خاکے میں ان کی مزاح نگاری پر تبصرہ کرتے ہوئے طنز و مزاح کی تعریف کی ہے''۔

''ہم نفسان رفتہ'' میں جن شخصیتوں کے خاکے شامل ہیں ان میں انتہائی کمزور ملازم کندن چپراسی سے لے کر یونیورسٹی کے اعلیٰ ترین عہدیدار یعنی وائس چانسلر تک کے خاکے شامل ہیں۔اس تصنیف کا عمدہ خاکہ چپراسی کندن کا ہے جس سے اس کی جیتی جاگتی اور متحرک شخصیت نکھر کر سامنے آتی ہے۔اس کے علاوہ ڈاکٹر عبدالحق کا خاکہ بھی کامیاب نظر آتا ہے۔باقی کے خاکے اتنے عمدہ اور دلکش نہیں ہیں جتنا کہ ہم رشید احمد صدیقی سے توقع رکھتے ہیں''۔

(ج) خنداں (خنداں اور دوسرے مضامین)

خنداں رشید احمد صدیقی کا اہم تخلیقی کارنامہ ہے۔ اس تصنیف میں رشید احمد صدیقی کی وہ تقریر شامل ہیں جو آل انڈیا ریڈیو سے نشر ہوئیں ہیں۔ اس میں ''چند معروف اور غیر معروف ہستیاں'' اس عنوان سے چند شخصیتوں کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ جن میں خنداں، شیخ پیرو، ایڈیٹر، دیہاتی، ڈاکٹر مقرر، ملاح وغیرہ اشخاص کی زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے علاوہ اس میں ''چند خاکے'' عنوان سے چند مضامین تحریر کئے ہیں اور اس تصنیف کے آخری حصے میں ''طنزیات'' کے عنوان سے چند مضامین شامل ہیں جن میں اردو شاعری میں عشق، شاعری میں محبوب، اردو شاعری میں دربان، اردو شاعری میں ناصح، اور اردو شاعری میں رقیب، ان کا حال بیان کیا گیا ہے۔ ''خانداں اور دوسرے مضامین'' یہ تصنیف رشید احمد صدیقی کے مختلف قسم کے مضامین کا مجموعہ ہے جس میں خاکہ نگاری کی جھلکیاں نظر آتی ہیں''۔

(د) ہمارے ذاکر صاحب :

ہمارے ڈاکٹر صاحب'' ڈاکٹر ذاکر حسین کی شخصیت پر لکھا ہوا ہے یہ ایک طویل ترین خاکہ ہے۔ اس تصنیف میں ذاکر صاحب کی شخصیت پر مختلف عنوان سے چار مضامین تحریر کیے گئے ہیں۔ ان کے نام اس طرح ہیں:

(۱) ڈاکٹر صاحب۔

(۲) مرشد۔

(۳) موجۂ گل سے چراغاں ہے گزرگاہِ خیال۔

(۴) ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے۔

اس تصنیف کا پہلا مضمون ذاکر صاحب ہے۔ اس سے پہلے کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے لیکن جب یہ کتاب طبع ہوئی تو اس میں بھی اسے شامل کر لیا گیا۔ دوسرا خاکہ ''مرشد کے عنوان سے ہے۔ یہ بھی اس سے پہلے'' مضامین رشید'' میں شامل تھا۔ باقی دونوں خاکے پہلی بار اس تصنیف میں شامل ہوئے ہیں۔ اس میں شروع کے تین خاکے ذاکر صاحب کی حیات میں لکھے گئے ہیں اور چوتھا ان کی وفات کے بعد لکھا گیا ہے۔ رشید احمد صدیقی نے اس تصنیف میں ڈاکٹر ذاکر حسین کی طالب علمی سے لے کر ان کی وفات تک کے تمام حالات زندگی بیان کر دیے ہیں۔ ذاکر صاحب علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہو یا صدر جمہوریۂ ہند ہر جگہ ان کی شخصیت کے بارے میں بنیادی صفات کا لحاظ رکھا ہے۔

رشید احمد صدیقی کے مذکورہ بالا خاکوں کے مجموعوں کے علاوہ، آشفتہ بیانی میری، شیخ نیازی اور مضامین رشید، ان تصانیف میں بھی خاکہ نگاری کے نمونے مل جاتے ہیں۔ رشید احمد صدیقی کے خاکوں کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے ہر قسم اور ہر طرح کے خاکے کمال مہارت کے ساتھ تحریر کئے ہیں۔ رشید احمد صدیقی کے متعلق آل احمد سرور لکھتے ہیں۔

''رشید صاحب اپنی ادبی شخصیت اپنے منفرد اسلوب اپنی دقیع، سنجیدہ اور خیال انگیز ظرافت اور اپنے دل آویزی مرقع نگاری کی وجہ سے اس دور کے ادب پر اپنا ایک لازوال نقش چھوڑ چکے ہیں۔''

سوال نمبرا :۔ مندرجہ ذیل خالی جگہ پر کیجیے۔

(۱) رشید احمد صدیقی کا ادبی سفر۔۔۔۔۔۔۔میں شروع ہوا ہے۔

جواب : علی گڑھ۔

(۲) گنج ہائے گراں مایہ رشید احمد صدیقی کے خاکوں کا۔۔۔۔۔۔۔مجموعہ ہے۔

جواب : پہلا۔

(۳) گنج ہائے گراں مایہ خاکہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔کے متعلق لکھا گیا ہے۔

جواب : محمد علی جوہر۔

(۴) ہم نفسان رفتہ۔۔۔۔۔۔۔۔کے خاکوں دوسرا مجموعہ ہے۔

جواب : رشید احمد صدیقی۔

(۵) رشید احمد کی تصنیف۔۔۔۔۔۔۔میں چپراسی کندن سے لے کر یونیورسٹی کے اعلیٰ ترین عہدیدار اور وائس چانسلر کے خاکے شامل ہیں۔

جواب : ہم نفسان رفتہ۔

(۶)''ذاکر صاحب'' کی تصنیف میں رشید احمد صدیقی نے۔۔۔۔۔کی شخصیت پر ایک طویل خاکہ تحریر کیا ہے۔

جواب : ڈاکٹر ذاکر حسین۔

(۷) ہمارے ذاکر صاحب اس تصنیف میں دوسرا خاکہ۔۔۔۔۔۔۔کے عنوان سے لکھا گیا ہے۔

جواب : مرشد۔

(۸) آشفتہ بیانی میری، شیخ نیازی اور مضامین رشید یہ۔۔۔۔۔۔۔۔کی تصانیف ہیں۔

جواب : رشید احمد صدیقی۔

(۹) گنج ہائے گراں مایہ کا شاہکار اور بہترین خاکہ۔۔۔۔۔۔کا ہے جس کی تمام نقادوں نے تعریف کی ہے۔

جواب : ایوب عباسی۔

(۱۰) رشید احمد صدیقی بنیادی طور پر۔۔۔۔۔۔۔۔۔کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔

جواب : طنز و مزاح نگار۔

سوال نمبر۲ :۔ مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات مختصراً دیجیے۔

(۱) رشید احمد صدیقی کا تعارف لکھیے۔

(۲) ''گنج ہائے گراں مایہ'' کا تعارف لکھیے۔

(۳) ''ہم نفسان رفتہ'' کا اجمالی جایزہ لیجیئے۔

(۴) ''ہمارے ذاکر صاحب'' میں کتنے مضامین شامل ہیں ان کے نام لکھیے۔

(۵) رشید احمد صدیقی کے خاکوں کے مجموعوں کے نام لکھیے۔

(۶) رشید احمد صدیقی کے چند شاہکار خاکوں کے نام لکھیے۔

سوال نمبر۳:۔ مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات پندرہ سے بیس سطروں میں دیجیے۔

(۱) رشید احمد صدیقی کی خاکہ نگاری کا مفصل جائزہ لیجیے۔

(۲) رشید احمد صدیقی کے خاکوں کے مجموعوں پر تفصیلی روشنی ڈالیے۔

(۳) رشید احمد صدیقی کی خاکہ نگاری کی خصوصیات بیان کیجیے۔

(۴) رشید احمد صدیقی کا تعارف بیان کرتیہوئیان کے خاکوں میں طنز و مزاح نگاری پر روشنی ڈالئے۔

4.2.3 قاضی عبدالغفار کا تعارف اوران کی خاکہ نگاری

(۱) قاضی عبدالغفار کا تعارف

قاضی عبدالغفار کا شمار بیسویں صدی کے اہم نثر نگاروں میں ہوتا ہے آپ اُردو کے مایہ ناز ادیب،صحافی، ناول نگاراورسوانح نگار ہیں۔صحافت نگاری کے میدان میں آزادی سے کام کرنے کے لئے آپ نے ملازمت سے استعفیٰ دیا اورمختلف قومی تحریکات سے بھی جڑے رہے۔آپ ہمہ گیرشخصیت کے مالک تھے۔ایک ممتاز ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ سماجی اورسیاسی مسائل سے گہری دلچسپی لیتے تھے جس کا اثران کے ادبی تخلیقات میں واضح طور پر دکھائی دیتا ہے۔قاضی عبدالغفار نے ایک صحافی کی حیثیت سے اپنی شناخت قائم کی لیکن دراصل وہ اُردو کے ایک صاحب طرز ادیب ہیں۔لیلیٰ کے خطوط،مجنوں کی ڈائری تین پیسے کی چھوکری،سیب کا درخت،نقش فرنگ،آثارابوالکلام آزاد،آثار جمال الدین افغانی اورحیات اجمل وغیرہ آپ کی قابل ذکرتصانیف ہیں۔حیدرآباد سے پیام نام کا اخبار نکالتے تھے اوراس میں طنزیہ ومزاحیہ کالم لکھا کرتے تھے ۔لیلیٰ کے خطوط ان کا شاہکار کارنامہ ہے۔ان کی تحریروں میں بالخصوص سوانحی ادب میں مولانا آزاد حکیم،اجمل خان اور جمال الدین افغانی کی سوانح کافی اہم ہیں۔اس کے علاوہ آپ نے ''حکیم اجمل خان مرحوم'' کے عنوان سے ایک خاکہ تحریر کیا ہے اوراس میں حکیم اجمل خان کی شخصیت کے چند اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔

(۲) قاضی عبدالغفار کی خاکہ نگاری

قاضی عبدالغفار ایک صاحب طرز ادیب کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔آپ نے افسانوی نثر کیساتھ ساتھ غیرافسانوی نثر میں بھی اپنی تخلیقی جوہر دکھائے ہیں۔حکیم اجمل خان جیسی ہمہ جہت شخصیت پر خاکہ لکھ کرفن خاکہ نگاری میں اضافہ کیا ہے۔آپ نے حکیم اجمل خان کی زندگی پر ایک سوانح عمری حیات اجمل'' کے عنوان سے تحریر کی ہے۔اس سوانح میں حکیم اجمل خاں کی زندگی کے تمام حالات پر روشنی ڈالی گئی ہے اورحکیم صاحب کی زندگی پر ایک اور خاکہ تحریر کر کے ان کی زندگی کے چند اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔

قاضی عبدالغفار کا خاکہ ''حکیم اجمل خان مرحوم'' اردو کے شاہکار خاکوں میں شمار ہوتا ہے۔قاضی عبدالغفار نے اس خاکے میں حکیم اجمل خان کے ان پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے جس میں حکیم صاحب کا درد پوشیدہ تھا۔خاکے کے آغاز میں لکھتے ہیں:

''بہت کم لوگ جانتے ہیں درحقیقت دو چار خاص نیازمندوں کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا کہ اجمل خاں کی

لازوال مسکراہٹ اور دل نواز بذلہ سنجی میں ایک گہرے غم کی تلافی شامل تھی۔ جولوگ ان کو ہر وقت مسکراتے اور ہمہ وقت احباب کے ساتھ چھیڑ کرتے دیکھتے تھے۔ان کوخبر نہ تھی کہ علم وعمل والے کے اس محشرستان میں اجمل خان کا دل ایک محشرستان تھا۔جس میں لاکھوں زندگی کے لاکھوں جراحتیں بھری ہوئی تھی۔ساری عمر کے ناسور پوشیدہ تھے جوانی کے آغاز سے قبر کے گوشہ تک ان کا وجود معنوی آتش غم میں جھلستا ہوا اور جلتا ہوا گزرا"۔

(۱) خاکہ نگاری کا اسلوب

قاضی عبدالغفار کی خاکہ نگاری کے اسلوب کی سب سے بڑی خوبی علمیت اور ٹھہراؤ کا انداز ہے۔الفاظ کے انتخاب میں وہ بڑی احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ان کے اسلوب اور طرز ادا سے حکیم اجمل خان سے گہرے تعلقات کا احساس ہوتا ہے۔ان کے اسلوب میں ایک خاص ندرت اور تاثر پایا جاتا ہے۔قاضی عبدالغفار نے حکیم اجمل خان کے خاکے میں ان کا حلیہ،لباس اور طرز زندگی بیان کرنے کے بجائے ان کی مسکراہٹ کے پیچھے چھپے غم اور درد کو بیان کیا ہے۔

قاضی عبدالغفار نے اجمل خان کے خاکے میں جذبات اور احساسات کی عکاسی اور ان کی ذہنی ونفسیاتی کیفیات کو بڑی خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ظاہر اور باطن دونوں اوصاف کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ان کے انداز بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اجمل خان کی ظاہری زندگی جو سب کے سامنے نظر آتی ہے دراصل وہ ایک کھوکھلا پن ہے۔وہ جتنے باہر خوش وخرم نظر آتے تھے اس سے کہیں زیادہ غم ان کے اندر درد چھپا ہوا تھا۔

قاضی عبدالغفار سوانح نگار بھی ہیں اور کردار نویس بھی۔خاکہ نگاری کے عناصر ترکیبی میں کردار نگاری کو خاص اہمیت حاصل ہے۔قاضی عبدالغفار نے اپنے منفرد اسلوب اور طرز بیان سے اجمل خان کی شخصیت کی حقیقی تصور اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ان کے خاکے کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی تحریروں میں اسلوب کی چاشنی فکر وخیال کی خوبیاں موجود ہیں۔

(۲) شخصیت کے اوصاف

قاضی عبدالغفار کے متعلق اوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ آپ سوانح نگار بھی ہیں اور کردار نویسی بھی۔حکیم اجمل خان کے خاکے میں ان کی شخصیت کے چند ایسے اوصاف بیان کیے گئے ہیں جن سے ان کی شخصیت کی حقیقی تصویر سامنے آتی ہے۔جیسے ان کی مسکراہٹ کے پیچھے غم کو بہت کم لوگ جانتے ہیں اور ہمہ وقت لوگوں نے انھیں مسکراتے ہوے دیکھا تھا۔ علم وفضل،کمال وشہرت،عزت ودولت،ناموری اور کامیابی کے ساتھ ان کی زندگی میں ان کا دل زخم سے بھرا ہوا تھا۔ یہ ان کی زندگی کا ایک راز تھا۔وہ جسمانی صحت کی قربانی بہ خوشی گوارہ کرتے تھے۔

قاضی عبدالغفار نے اجمل خاں کی شخصیت کے متعلق وہ باتیں دہرائیں ہیں۔ جو جرمنی کی مشہور سوانح نگار لڈوگ نے گائٹے کی زندگی پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا۔ جو اجمل خاں کی زندگی پر بھی صادق آتے ہیں:

قسمت کے پاس سب سے موثر آلۂ حرب اس کے پاس صرف ایک ہی تھا۔ مصروفیت کے سائے میں وہ آزمودہ کار اپنے لیے پناہ ڈھونڈتا۔ وہ اپنا سب کچھ دوسروں کو دیتا تھا۔ صرف اسی کوشش میں کہ اس کو کوئی چیز کوئی بہانہ دل کی تسکین کا مل جائے۔ محبت، دوستوں کی محبت، دوسروں پر مہربانیاں، دوسروں کی خطاؤں پر نگاہ کرم ان سب کے درمیان ان کی روح تنہا اور بے یار و مددگار تھی اور زندگی کی خزاں کا موسم قریب آچکا تھا''۔

اجمل خاں ضرورت مندوں، حاجت مندوں کی مدد کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔ رمضان کے مہینے میں کئی بھوکے لوگوں کو کھانا کھلاتے۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے اساتذہ کی تنخواہ دینے کے لیے اپنی دوہیرے کی اگھوٹھیاں فروخت کرنے کی لیے تیار ہوگئے تھے۔ قاضی عبدالغفار نے اجمل خاں کے خاکے میں ان کی شخصیت کے چند اہم اوصاف کا ذکر بہ خوبی بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے نزدیک حکیم اجمل خاں کے اندر ایک بہترین انسانوں کی تمام صفات موجود تھیں۔

(۳) اجمل خاں سے ذاتی وابستگی

قاضی عبدالغفار ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے اور وہ ایک ممتاز ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ سماجی اور سیاسی مسائل سے بھی گہری دلچسپی لیتے تھے۔ اسی لیے حکیم اجمل خاں کے ساتھ سیاسی اور سماجی کاموں میں شریک رہتے تھے۔ اجمل خاں سے آپ کو ذاتی وابستگی تھی۔ ان کی محبت میں اکثر شعر و شاعری کا چرچا کیا کرتے۔ کبھی کبھی تو حکیم صاحب سے ہی اصلاح کی فریاد کرتے تھے۔

قاضی عبدالغفار نے حکیم صاحب کی شخصیت پر ایک سوانح ''حیات اجمل'' کے عنوان سے تحریر کی ہے۔ ۔اجمل خان کی شخصیت اور ان کے گوناگوں کارناموں کو بڑی محنت اور جانفشانی سے قلم بند کیا ہے۔ قاضی عبدالغفار حکیم صاحب کے ساتھ ایک طویل عرصے تک کام کرتے رہے ہیں۔ اس لئے انھیں حکیم صاحب کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ حکیم اجمل خاں کے متعلق تحریر کیے ہوے اس خاکے سے پتہ چلتا ہے کہ قاضی صاحب نے ان کی شخصیت کا نفسیاتی مطالعہ کیا ہے۔ ان کے سیاسی کارنامے اور ان کے عہد کے تاریخی و سیاسی پس منظر کو بھی بیان کیا ہے۔ ان کے نزدیک حکیم اجمل خان کے متعلق لکھنے کے لیے ان کے علاوہ زیادہ موضوع کوئی اور شخص نہیں ہوسکتا تھا۔

(۴) حکیم اجمل خاں کے خاکے کے اہم نکات

خاکہ نگاری میں قاضی عبدالغفار کا خاکہ ''حکیم اجمل خان مرحوم'' منفرد اہمیت کا حامل ہے۔حکیم صاحب کے متعلق مکمل سوانح لکھنے کے ساتھ ساتھ قاضی صاحب نے ادب میں ان کی شخصیت کے متعلق ایک اور خاکہ لکھ کر چند اہم پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔اس خاکے میں حکیم صاحب کی زندگی کے چھپے غم،ان کی مصروفیات،جسمانی صحت کی قربانی''،غم نصیبی،فقیرانہ احساس،دشمنوں کے ساتھ احسان وغیرہ خوبیوں کو بیان کیا ہے۔اس کے علاوہ مصنف نے حکیم صاحب کی ان صفات کا بھی ذکر کیا ہے کہ:حکیم صاحب کی مالی حالت کمزور ہونے کے باوجود وہ خود کے خرچ سے قومی کاموں کو پورا کرتے تھے۔غربا اور ضرورت مندوں کا خیال ہمیشہ ان کے دل میں رہتا،رمضان میں کئی لوگوں کو کھانا کھلاتے۔اخلاقی انسانی دولت کے ساتھ ساتھ دماغی فضیلتیں بھی بہت تھی۔ہر لفظ اور ہر رائے جو ان کی زبان سے ادا ہوتی تھی اس پر ہمیشہ فہم عامہ کی مہر ہوتی تھی اور یہ اجمل خاں کی دماغی شخصیت کا بہت بڑا وصف تھا۔

اس خاکے کا موضوع اردو ادب کی ایک عظیم شخصیت کی سیرت پر مبنی ہے۔اس میں حکیم صاحب کی سیرت شخصیت،گفتار و کردار،عادات و اطوار،ذہنی و فکری صلاحیتیں وغیرہ کے متعلق اظہار کیا گیا ہے۔اس خاکے کے اظہار و اسلوب میں ان کی شخصیت کا عکس نظر آتا ہے۔ قاضی صاحب نے خاکہ نگاری کے ذریعے اجمل خاں کی شخصیت کے اوصاف اور ان سے ذاتی وابستگی کو اختصار اور وحدت تاثر کے ساتھ موثر انداز میں بیان کیا ہے۔واقعہ نگاری اور منظر کشی کی ہے۔قاضی عبدالغفار کا نام سوانح نگار کے ساتھ ساتھ خاکہ نگار کی حیثیت سے بھی لیا جاتا ہے۔حکیم اجمل خاں کے خاکے سے پتہ چلتا ہے کہ قاضی عبدالغفار ایک اچھے شخصیت نگار اور بہترین خاکہ نگار بھی ہیں۔

سوال نمبرا :۔ مندرجہ ذیل خالی جگہ پر کیجیے۔

(۱) قاضی عبدالغفار کا شمار ۔۔۔۔۔۔۔۔صدی کے اہم نثر نگاروں میں ہوتا ہے۔

جواب: بیسویں۔

(۲) قاضی عبدالغفار نے ۔۔۔۔۔۔۔کے متعلق ایک خاکہ تحریر کیا ہے۔

جواب: حکیم اجمل خان مرحوم۔

(۳) عبدالغفار نے حکیم اجمل خان کے متعلق ایک تصنیف ۔۔عنوان سے سوانحی عمری کے پیرائے لکھی ہے۔

جواب: حیات اجمل۔

(۴) حیات اجمل ۔۔۔۔۔۔۔۔۔کی سوانح عمری شامل ہے۔

جواب: حکیم اجمل خان۔

(۵) قاضی عبدالغفار کو ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ سماجی اور ۔۔۔۔۔۔۔مسائل سے گہری دلچسپی تھی۔

جواب: سیاسی۔

(۶) قاضی عبدالغفار کو ۔۔۔۔۔۔۔۔کے ساتھ ایک عرصے تک کام کرنے کا موقع ملا۔

جواب: حکیم اجمل خان۔

(۷) آثار جمال الدین افغانی، آثار ابوالکلام آزاد، اور حیات اجمل ۔۔۔۔۔۔۔کی قابل ذکر تصانیف ہیں۔

جواب: قاضی عبدالغفار۔

(۸) ۔۔۔۔۔۔۔کے میدان میں کام کرنے کے لئے قاضی عبدالغفار نے ملازمت سے استعفیٰ دیا۔

جواب: صحافت۔

(۹) خاکہ نگاری میں قاضی عبدالغفار کے نزدیک ۔۔۔۔کے علاوہ کوئی اور شخص زیادہ موزوں اور مناسب نہیں ہوسکتا تھا۔

جواب: حکیم اجمل خان۔

(۱۰) قاضی عبدالغفار نے حکیم اجمل خان کے خاکے میں ان کی ۔۔۔۔۔۔۔۔کی کمزور صحت کا ذکر کیا ہے۔

جواب: صاحبزادی۔

سوال نمبر۲ :۔ مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات مختصراً کیجیے۔

(۱) قاضی عبدالغفار کا تعارف لکھیے۔

(۲) قاضی عبدالغفار کی تصانیف پر روشنی ڈالیے۔

(۳) قاضی عبدالغفا کی اجمل خان سے ذاتی وابستگی پر روشنی ڈالیے۔

(۴) قاضی عبدالغفار کے خاکے کا موضوع بیان کیجیے۔

(۵) قاضی عبدالغفار نے خاکے میں حکیم اجمل خان کی شخصیت کے کن اوصاف کا ذکر کیا ہے

سوال نمبر۳:۔ مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات پندرہ سے بیس سطروں میں دیجیے۔

(۱) قاضی عبدالغفار کی خاکہ نگاری کا مفصل جائزہ لیجیے۔

(۲) قاضی عبدالغفار کی خاکہ نگاری کی خصوصیات بیان کیجیے۔

(۳) قاضی عبدالغفار کی خاکہ نگاری کے اسلوب پر تفصیلی روشنی ڈالیے۔

4.3 خودآموزی کے لیے سوالات

سوال :۔ مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات پندرہ سے بیس سطروں میں دیجیے۔

(۱) مولوی عبدالحق بحیثیت خاکہ نگار واضح کیجیے؟

(۲) رشید احمد دصدیقی کی خاکہ نگاری پر تبصرہ کیجیے؟

(۳) قاضی عبدالغفار کی خاکہ نگاری پر تبصرہ کیجیے؟

(۴) قاضی عبدالغفار کے حالات زندگی بیان کیجیے؟

(۵) قاضی عبدالغفار کے خاکے کے نام بتا کران کی اہمیت بیان کیجیے؟

(۶) مولوی عبدالحق کے خاکوں کے نام بتا کران کی اہمیت واضح کیجیے؟

4.4 خلاصہ

مولوی عبدالحق اُردو ادب کے نامور محقق، ماہرلسانیات، خاکہ ہوگذارے ہیں۔ان کی پیدائش ۱۸۷۰ء میں ہاپڑ ضلع میرٹھ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم محمڈن اینگلو اورینٹل کالج (ایم۔اے۔او۔ کالج) علی گڑھ میں حاصل کی۔ سرسید احمد خان سے مولوی عبدالحق کے اچھے تعلقات تھے۔ ساتھ ہی ان کی ملاقات مولانا الطاف حسین حالؔی اور محسن الملک سے ہوئی۔اس کے علاوہ انھوں نے بذرگوں سے فیضانِ علم وادب حاصل کیا تھا۔ مولوی عبدالحق نے ایک ماہرلسانیات، کے ساتھ ساتھ خاکہ نگار بھی تھے۔انھوں نے کئی خاکہ تصنیف کیے تھے۔جن میں ہم چندعصر، نام دیو مالی، اور دیگر بزرگوں کے خاکہ مشہور ہیں۔انھوں نے خاکہ نگاری میں ایک نیا ئا سلوب پیدا کیا۔ساتھ ہی کئی خاکہ تصانیف بھی تحریر کے۔

رشید احمد صدیقی ابھی اردو کے طنز ومزاح نگار کہلاتے ہیں۔ساتھ انھوں نے کئی خاکہ بھی تحریر کیے ہیں جن میں خنداں، ہم نفستان رفتہ، اور ذاکر صاحب سب سے اہم خاکہ ہیں۔رشید احمد صدیقی نے خاکہ نگاری کے میدان میں نیاء اسلوب پیدا کیا اور خاکہ نگاری صنف کو اردو ادب کے میدان میں لا کھڑا کیا۔ہم نے رشید احمد صدیقی سے متعلق تفصیل سے معلومات درج کی ہیں۔

قاضی عبدالغفار کا شمار بھی اہم خاکہ نگاروں میں ہوتا ہے۔قاضی عبدالغفار اردو ادیب،صحافی، ناول نگار اور سوانح نگار کے ساتھ ساتھ خاکہ نگار بھی تھے۔ اس کے علاوہ انھوں نے صحافت نگاری کے میدان میں قدم رکھا اور صحافت نگاری کو بھی عروج ثریا پر پہنچانے میں کامیاب ہوئے۔قاضی عبدالغفار نے جو تصانیف تحریر کیں ان میں لیلیٰ کے خطوط، مجنوں کی ڈائری تین پیسے کی چھوکری، سیب کا درخت، نقش فرنگ، آثار ابوالکلام آزاد، آثار جمال الدین افغانی اور حیات اجمل وغیرہ آپ کی قابل ذکر تصانیف ہیں۔اسی کے ساتھ خاکہ نگاری میں شخصیت کے اوصاف، کردار، خوبیاں اور دیگر باتوں کو ہو بہو اپنے خاکوں میں پیش کیا ہیں۔

4.5 مشقی سوالات

سوال :۔ مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات مفصل تحریر کیجیے۔

(۱) مولوی عبدالحق کا خاکہ چند ہم عصر اور نام دیو مالی پر روشنی ڈالیے؟

(۲) قاضی عبدالغفار خان کے خاکہ حکیم اجمل خان پر تبصرہ کیجیے؟

(۳) قاضی عبدالغفار خان بحیثیت خاکہ نگار واضح کیجیے؟

(۴) رشید احمد صدیقی کے حالات زندگی بیان کیجیے ؟

(۵) رشید احمد صدیقی کا خاکہ ''ذاکر صاحب'' پر تبصرہ کیجیے؟

(۶) خاکہ ''نام دیو مالی'' کا خلاصہ بیان کیجیے؟

4.6 الفاظ و معنی

الفاظ	معنی
اسکیچ	خاکہ
مالی	باغ میں کام کرنے والا
عظیم	بڑا
مدحیہ	قابل تعریف
تامل	سوچ، فکر، اندیشہ، عرصہ، وقفہ، صبر تحمل، تزبزب

مماثلت	مشابہت، مانند ہونا۔
مرقع	تصویر کی کتاب
برانگیختہ	بھڑکایا ہوا، طیش میں بھرا ہوا
جزئیات	جزوی کی جمع، افراد، حصے، چھوٹے چھوٹے امور
قدغن	اہتمام، تاکید، روک ٹوک، ممانعت، خبرداری

4.7 حوالہ جاتی کتب

(۱) اردو خاکہ نگاری	محمد حسین آزاد
(۲) اردو میں خاکہ نگاری	نثار احمد فاروقی
(۳) خاکہ نگاری کا فن اور چند ہم عصر	سید حامید حسین
(۴) خاکہ نگاری کا فن اور چند اہم عصر	سید حامد حیسین
(۵) اردو ادب میں خاکہ نگاری	صابرہ سعیدہ